ارمغانِ ادب

یو۔جی۔سی (لکچر شپ) اور مقالہ جاتی امتحان کے نصاب پر مشتمل

امتیاز احمد
عطیہ رئیس

ایم۔آر۔ پبلی کیشنز، نئی دہلی

ارمغانِ ادب

یو جی سی (لکچر شپ) اور مقابلہ جاتی امتحان کے نصاب پر مشتمل

SCHOOL & COLLEGE BOOKS
EDUCATIONAL BOOK STALL
Mobile

امتیاز احمد
عطیہ رئیس

زیر اہتمام

ایم۔ آر۔ پبلی کیشنز

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : ارمغانِ ادب

مرتبین : امتیاز احمد/عطیہ رئیس

مطبع : نیو انڈیا آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی۔

ناشر : ایم۔آر۔پبلی کیشنز

10 میٹرو پول مارکیٹ، 25-2724 کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی

اڈیشن : پہلا—1999، دوسرا—2001، تیسرا—2002، چوتھا—2004

پانچواں—2006، چھٹا—2008، ساتواں—2011

Armughan-e-Adab

Edited by

Imteyaz Ahmed /Atia Rais

09868008294 / 09968199202

ISBN: 81-88413-07-0

© All Copy rights are reserved.

This Edition :2011

Price: **Rs. 100/-**

Printed & Published by

M. R. PUBLICATIONS

Printers, Publishers, Book Sellers & Distributors of Literary Books

10 Metropole Market 2724-25 First Floor

Kucha Chelan, Daryaganj, New Delhi-110002

Cell: 09810784549, 09873156910

E-mail: abdus26@hotmail.com

انتساب

شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی

کے

اساتذہ کے نام

فہرس

پیش لفظ 7
غزل 9
ولی 12
میر 14
درد 15
انشاء 16
آتش 16
غالب 17
مومن 18
شاد 19
حسرت 19
فانی 21
فراق 22
فیض 23
مثنوی 24
قطب مشتری 25
سحر البیان 25
گلزار نسیم 26
زہر عشق 26
قصیدہ 27
سودا 28
ذوق 29
مرثیہ 30
انیس 31
دبیر 32
حالی 33
نظم 35
نظیر 36
حالی 37
اکبر 39
سرور 40
چکبست 40
اقبال 41
جوش 43
فیض 44
مخدوم 45
اختر الایمان 46
داستان 47
سب رس 48
باغ و بہار 48

فسانۂ عجائب 49

ناول 50

نذیر احمد 53

رسوا 54

پریم چند 55

قرۃ العین حیدر 56

افسانہ 58

پریم چند 59

منٹو 60

کرشن چندر 61

بیدی 62

عصمت 63

ڈرامہ 64

اندر سبھا 66

سلور کنگ 67

انار کلی 68

تنقید 69

تنقید کا ارتقاء 70

تذکروں کی تنقید 72

مارکسی تنقید 75

نفسیاتی تنقید 76

ہیئتی تنقید 77

اسلوبیاتی تنقید 79

حالی 80

شبلی 81

احتشام حسین 82

کلیم الدین احمد 83

آل احمد سرور 85

ہند آریائی کی مختصر تاریخ 86

اردو کے ابتدائی نظریات 90

دکنی اردو کی خصوصیات 93

شمالی ہند کی قدیم اردو ۱۸۰۰ء تک 95

دیگر اصناف نثر 98

معروضی سوالات

سیٹ -1 107

سیٹ -2 115

سیٹ -3 123

سیٹ -4 131

سیٹ -5 139

سیٹ -6 147

سیٹ -7 155

سیٹ -8 163

سیٹ -9 171

سیٹ -10 179

پیش لفظ

"ارمغانِ ادب" آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ کتاب نصابی ضرورتوں کے تحت تالیف کی گئی ہے۔ اس وقت یوجی سی، یوپی ایس سی اور ریاستی مقابلہ جاتی امتحانوں کے لیے جو چند کتابیں موجود ہیں ان سے طالب علموں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوپاتیں، کیونکہ ان کتابوں میں نصاب کا احاطہ پورے طور پر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے ان میں جو معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس طرح کی کتابیں صرف کاروباری ضرورتوں کے تحت شائع کردی جاتی ہیں۔ طلبہ کو ان مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کراتے وقت اس کمی کا شدت سے احساس ہوا کہ ایک ایسی کتاب ہونی چاہئے جو مختلف مقابلہ جاتی امتحانوں کی ضرورتوں کو پورا کرسکے اور معروضی (objective) وموضوعاتی (Subjective) دونوں طرح کے سوالات تیار کرنے میں مدد دے سکے۔

یوجی سی (U.G.C.) ہر سال دوبار لکچر شپ (N.E.T./J.R.F) کا امتحان لیتی ہے، اس کے علاوہ کئی ریاستوں میں بھی لکچر شپ کا علاحدہ امتحان ہوتا ہے، جن میں ہزاروں کی تعداد میں اردو کے طالب علم شریک ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں تیاری کے لیے انہیں کتب خانوں اور دوکانوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ ظاہر ہے ہر شہر میں ایسے کتب خانے موجود نہیں ہیں جہاں بیٹھ کر یکسوئی سے مطالعہ کیا جاسکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر موضوع پر الگ الگ کتابوں کا مطالعہ بھی وقت چاہتا ہے۔ مزید یہ کہ بعض وقت ضرورت کی کتابیں بھی دستیاب نہیں ہوپاتیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اردو میں یوجی سی کا امتحان پاس کرنے والوں کی تعداد بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ اس مقصد کے تحت ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یوجی سی کے نصاب کو مد نظر رکھ کر ایک کتاب شائع کی جائے اور اس میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کردی جائے تو ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے جو ہمارے پانچ برس پہلے دیکھے گئے خواب کی تکمیل ہے۔ یوں تو اس کتاب کی بنیاد یوجی سی کے نصاب پر ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ دیگر مقابلہ جاتی امتحانوں میں بھی یہ کتاب بے حد مددگار ثابت ہوگی۔

اس کتاب کے دو حصے کیے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں بلحاظِ نصاب موضوعات پر اختصار اور جامعیت کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں معروضی سوالات (Objective Q·iestions) کے دس ایسے سیٹ (Set) دیئے گئے ہیں جو یو جی سی امتحان کے دوسرے پرچے میں آتے ہیں۔ ان میں بہت سے سوالات ایسے ہیں جو پچھلے امتحانوں میں پوچھے جاچکے ہیں اور اکثر دہرائے جاتے ہیں۔ ان سوالوں کو حل کرنے سے طلبہ کو پرچۂ دوم میں آنے والے سوالوں کے طرز اور معیار کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔ ہر سیٹ پچاس سوالوں پر مشتمل ہے اور آخر میں ان کا جواب بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ حل کرنے کے بعد صحیح جواب سے موازنہ کر سکیں اور غلطیوں پر نظرِ ثانی کی جاسکے۔

یو جی سی کے نصاب پر مشتمل، اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے۔ امید ہے ہماری یہ جسارت طلبا کے لیے چراغِ راہ ثابت ہوگی۔

امتیاز احمد

عطیہ رئیس

غزل

لغت کی رو سے "غزل" اس کلام کو کہتے ہیں جس میں عورتوں کے حسن و عشق کا ذکر ہو۔ ادبی اصطلاح میں "غزل" نظم کی اس صنف کا نام ہے جس میں عشق و محبت، حسن و جمال، گل و بلبل کے تذکرے، معشوق کے خدوخال کی تعریف، اس کے جور و ستم، بے توجہی، ہجر و فراق کی تڑپ، بے چینی و بے قراری، کرب و اضطراب، وصالِ محبوب کی تمنا، وحشت و عشرت، یاس و امید، خوف و رجا، خزاں و بہار، شادی و غم کے مضامین بیان کیے جائیں۔ لیکن مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ غزل کے مضامین میں بھی تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہے ہیں۔ ہجر و وصال کی داستان کے ساتھ ساتھ، فلسفہ و تصوف، سیاسیات و مذہبیات، حیاتِ انسانی کے مختلف مسائل، دقیق خیالات اور سنجیدہ مضامین بھی غزلوں میں پیش کیے جانے لگے ہیں۔ غرض

ع "ہوتی ہے بیاں دل کی ہر اک بات غزل میں"

غزل کا ہر شعر دوسرے شعر سے مضمون و معنی کے اعتبار سے علیحدہ اور مختلف ہوتا ہے۔ یعنی ایک شعر کو دوسرے شعر سے کوئی معنوی تعلق نہیں ہوتا اور اگر کسی غزل کے اندر شاعر کو اپنے مضمون کے بیان اور خیالات کے اظہار کے لیے ایک سے زیادہ اشعار کی ضرورت ہوتی ہے تو انہیں قطعہ کے اشعار کہتے ہیں۔

غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اگر غزل کا دوسرا شعر بھی مقفّیٰ ہو تو اسے "حسن مطلع" یا "مطلع ثانی" کہیں گے۔ غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے "مقطع" کہلاتا ہے۔

غزل میں "قافیہ" کی پابندی کے ساتھ ساتھ بالعموم "ردیف" کا التزام بھی کیا جاتا ہے۔ جس غزل میں "ردیف" ہوتی ہے اسے "غزل مردف" کہا جاتا ہے اور جس میں ردیف کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ صرف قافیہ ہوتا ہے اسے "غزل غیر مردف" کہتے ہیں۔

"قافیہ" کے لغوی معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ اصطلاح میں "قافیہ" اس ہم آہنگ مجموعۂ حروف کا نام ہے جو غزل اور قصیدہ کے مطلع میں مکرر اور بعد کے اشعار کے دوسرے مصرعہ میں آتے ہیں۔ مثنوی میں یہ ہر مصرعہ کے آخر میں آتا ہے۔

"ردیف" کے لغوی معنی کسی کے پیچھے سوار ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں لفظ یا الفاظ کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں، جو کسی شعر یا مصرعے کے آخر میں بغیر کسی تبدیلی کے مکرر آئے۔ شعرائے عرب کے یہاں "ردیف" کا دستور نہیں تھا۔ شعرائے عجم نے اس کا اختراع کیا۔ مثال کے طور پر غالب کی غزل کا یہ مطلع :

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں

اس میں "گماں" اور "امتحاں" قوافی ہیں اور "نہیں" ردیف ہے۔

"غزل" اپنی تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اردو شاعری کی محبوب اور مقبول ترین صنف سخن ہے۔ اردو شاعری میں "غزل" ایک عظیم اور گراں بہا سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمیں اردو شاعری میں ایسے شاعر تو ملتے ہیں جنہوں نے اسیر زلف غزل ہو کر اپنی متاع حیات کو صرف اسی کی مشاطگی میں تمام کر دیا۔ مثلاً آتش، لیکن ایک شاعر بھی ایسا نہیں ملتا جس نے کبھی بھی اس نغمۂ مسرت اور ربابِ شاعری کے تار کو نہ چھیڑا ہو۔ اس کے لیے اسباب کچھ بھی ہوں، مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غزل ہی اردو شاعری کے ہر دور میں یکساں طور پر محبوب و مقبول رہی ہے۔ عام طور پر ہر شاعر اسی سے اپنی شاعری کی ابتدا کرتا ہے اور ذہن و شعور کی پختگی کے بعد بھی اس پر ضرور طبع آزمائی کرتا ہے۔

شاہان بیجاپور اور گولکنڈہ کے ایوان شاہی میں اس چنچل عروس شاعری نے جنم لیا۔ شہنشاہوں کے سایۂ عاطفت میں یہ پلی اور پروان چڑھی۔ ناز و نعم اور خوش حالی و فارغ البالی کی آغوش میں اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ حسن و محبت اور عیش و طرب کے ماحول میں اسے سانس لینے کا موقع ملا۔ بچپن میں اس کے بھولے پن نے لوگوں کے دلوں کو لبھایا، شباب میں اس کے حسن خداداد اور اس کی رعنائیوں نے لاکھوں دلوں کو مسخر کیا۔ لیکن اپنے عروج کمال پر پہنچ کر اس نے زمانے کے جذبات کی تمام تجوبہ کاریوں سے واقفیت حاصل کر لی۔ اسے اس کا علم ہوا کہ دنیا کے اندر حسن و محبت کے علاوہ بے شمار چیزیں لائق توجہ ہیں۔

ہوش و خرد کے ساتھ وحشت و جنون بھی ہے، عیش و طرب کے پہلو بہ پہلو ستم روزگار اور غم نشاط بھی ہے۔ مسرت کے نغموں میں نالہ و فریاد بھی پنہاں ہے۔ طاؤس و رباب کے رقص و سرور کے ساتھ شمشیر و سناں کی جھنکار بھی ہے۔ بقول جگر ؎

محبت صلح بھی پیکار بھی ہے
یہ شاخ گل بھی ہے، تلوار بھی ہے

"غزل" کی دنیا بھی مختلف و متضاد کیفیتوں سے معمور ہے۔ اس کے اندر حسن کا ناز بھی ہے اور عشق کا نیاز بھی۔ دنیا کی رنگینیوں کا تذکرہ بھی ہے اور بے ثباتی عالم کا رونا بھی۔ اس میں رندی بھی ہے اور پارسائی بھی۔ فلسفہ بھی ہے اور تصوف بھی۔ لہٰذا بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غزل میں ہر طرح کے خیالات و مضامین کو کامیابی کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

قسام ازل نے شروع سے غزل کے حصے میں ہر طرح کی ہستیاں عطا کی ہیں۔ اسے محمد قلی قطب شاہ بھی ملا اور ولی دکنی بھی۔ دکن سے دلی آ کر اس کی "آبرو" بھی بڑھی اور فیض رسانی کی خوبی بھی پیدا ہوئی۔ اسے حاتم بھی ملا اور آبرو بھی۔ جب اس نے حسن و محبت کے کوچہ میں قدم رکھا تو اسے پہلے تو سودا سے شناسائی ہوئی، پھر درد نے دل میں گھر کر لیا۔ غزل کی اثر خیزی میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ قدرت نے میر تقی میر کو امیر کاروان غزل بنا کر بھیجا۔ جس نے غزل کو ایہام گوئی اور لفظی گورکھ دھندوں سے نجات دلا کر سلاست و روانی، سوز و گداز اور اثر آفرینی کی راہ دکھائی۔ راسخ نے راسخ العقیدہ ہو کر میر کی پیروی کی۔ مصحفی نے مصحف عروس غزل کو مسکراہٹوں، قہقہوں اور چھیڑ چھاڑ سے گلنار کر دیا۔ میر اثر نے اس کے اندر تاثیر کی صفت پیدا کر دی۔ جرأت نے جسارت سے کام لے کر اسے ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ انشاء و رنگین نے اس کے مضامین میں شگفتگی اور رنگینی بھر دی۔ پھر آتش نے اپنی آتش نوائیوں سے اس میں زندگی کی حرارت ڈال دی۔ مومن نے اپنی "بت پرستی" سے اسے صنم خانۂ حسن و عشق بنا دیا۔ غالب نے اپنے ندرت بیان سے سبھوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ ذوق نے اسے حسن زبان اور لطف محاورہ کا ذوق عطا کیا۔ داغ نے اپنے دامن خیال کو داغدار کر کے غزل کے رخ روشن کو بے داغ کر دیا۔ امیر مینائی نے مئے و مینا کے ساتھ اخلاقیات و روحانیات کی مئے سے مینائے غزل کو لبریز کر دیا۔ شاد خود ناشاد رہے، مگر

شاد کام اور شاعری کا ایک نیا دبستان قائم کر گئے۔ اکبر الٰہ آبادی نے طنز و ظرافت کے سدا بہار اور رنگارنگ پھولوں سے کشت غزل کو زعفران زار بنادیا۔ اقبال نے اسے وسعت افلاک اور رفعت ثریا عطا کی۔ حسرت نے اپنی تمام حسرتوں کو یکجا کر کے غزل کو ایک نیا مذاق حسن و محبت اور ایک دلکش و مترنم انداز بیان دیا۔

جگر نے اپنی جگر سوزی، سرشاری اور سرمستی سے غزل کو ایک نیا کیف و سرور بخشا، وارفتگی اور والہانہ کیفیت عطا کی۔ فراق ہمیشہ غزل کے لیے نیا شعور، نئی زمین اور نیا آسمان ڈھونڈ نکالنے کے فراق میں نظر آتے ہیں۔ مجاز پر عشق مجازی کا بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ حسن و شراب کی کیف پرور، فرحت بخش مگر عارضی اور مجازی دنیا میں نغمہ زنی کرتے ہوئے گم ہوگئے۔

غرض زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک اردو شاعری کی دنیا میں غزل ہی کا ہر جگہ توتی بولتا رہا۔ اس پر مختلف قسم کے اعتراضات کئے گئے۔ اسے "نیم وحشی صنف سخن" تک کہا گیا، لیکن اس کے باوجود اس کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی لطافت اور نزاکت، اس کی ایمائیت اور اشاریت، اس کی اثر آفرینی اور اس کے اختصار، اس کی برجستگی اور ڈرامائیت نے مل ملا کر اسے اردو شاعری کا اعجاز بنادیا۔ اور اس کے اسی اعجاز میں اس کی ابدیت کا راز پنہاں ہے۔ اس میں جو تیکھا پن ہے وہ نظم کو میسر نہیں۔ اس میں جو کیف و سرور ہے، جو نغمہ و ترنم ہے، وہ بجلی گرادینے والی صفت ہے، یہ دوسری کسی صنف کو نصیب نہیں۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزل ہر زمانہ کے مزاج اور مذاق اور انسانی ذہن و شعور کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے اندر خوشگوار تبدیلیاں پیدا کرتی ہوئی برابر ترقی کی راہ پر گامزن رہے گی۔

ولی

ولی اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۶۳۵ء میں اور انتقال ۱۷۰۷ء میں ہوا۔ یہ اپنے وقت کے سب سے زیادہ مشہور شاعر تھے۔ ایک زمانہ میں خیال تھا کہ یہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام دیوان کی صورت میں مل سکا ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ محمد قلی قطب شاہ کا کلیات اس سے قبل شائع ہو چکا تھا۔

ولی کا احسان صرف دکن تک محدود نہ تھا بلکہ شمالی ہند کو بھی اس کی ذات سے فائدہ

پہنچا، ولی کو سیر و سیاحت کا کافی شوق تھا۔ چنانچہ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں دکن سے دہلی آئے۔ ولی نے قریب قریب اردو کی ہر صنف شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ جس کے متعلق ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں کہ "قدیم زمانے میں بعض اصناف سخن ایسی رائج تھیں جو اب نہیں ــــ جیسے ثلاثی، چار در چار، بازگشت اور قریب قریب ہر صنف شاعری کو ولی نے نہایت خوبی اور کامیابی سے نبایا ہے۔"

غزلوں میں ولی کے یہاں تغزل کے علاوہ اخلاقی مضامین بھی موجود ہیں۔ گو باتیں عموماً سیدھی سادی ہوتی ہیں، مگر جہاں مضمون آفرینی سے کام لیتے ہیں وہاں تخیل کی گہرائی بھی قابل دید ہوتی ہے۔ خاص کر ان مقامات پر جہاں تصوف کے نکات بیان کرتے ہیں۔ چونکہ خود صوفی منش تھے اور برسوں خانقاہوں میں رہ کر درس معرفت حاصل کر چکے تھے اس لیے معنویت کے ساتھ پر لطف طریقے سے رموز حقائق قلمبند کرتے ہیں، جس سے غزل میں ایک جان سی آجاتی ہے۔ ولی کی زبان عموماً صاف و شیریں ہے، پرانے اور نامانوس الفاظ کے استعمال سے کہیں کہیں الجھن ضرور ہوتی ہے۔ لیکن انہوں نے فارسی کی خوبصورت ترکیبوں اور ہندی اور فارسی کے منتخب الفاظ کی آمیزش سے اپنے کلام کو اس طرح آراستہ کیا ہے کہ دل کشی اور صفائی ہر جگہ نمایاں ہو جاتی ہے۔

ولی کی غزلوں میں خارجی پہلو زیادہ ہے لیکن برجستگی اور کیف کی وجہ سے بیان میں مزہ باقی رہتا ہے، چونکہ صاحب معرفت تھے لہذا سوز و گداز کا اثر کلام میں بھی نمایاں ہے اا سادگی بیان کی وجہ سے تاثیر بھی دوبالا ہو گئی ہے۔

ان کی تشبیہات و استعارات میں جدت ہے۔ بعض اداؤں کا خیال کر کے معشوق کو "بانکے پٹھان" کہہ دیا ہے اس کی مثال اردو شاعری میں کم ملے گی۔

ولی کے قصائد پر نظر ڈالنے سے حیرت ہوتی ہے کہ اس عہد میں جب زبان ابتدائی حالت میں تھی کیوں کر انہوں نے اتنے زوردار قصیدے کہے ہوں گے، جتنی خوبیاں قصیدے میں ہونی چاہئیں، وہ سبھی موجود ہیں۔ شوکت الفاظ بھی ہے، زور بھی ہے، اور مشکل زمین کے ہوتے ہوئے روانی بھی ہے۔ ان کے قصائد میں محاکاتی عنصر بھی خوبی کے ساتھ قلم بند ہوئے ہیں۔

ولی نے دہلی میں آکر یہاں کی زبان کا اتنا اثر لیا کہ دکنی زبان اور محاورات کو کم کر کے دہلی کی زبان اور محاوروں کو اپنے کلام میں جگہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی الفاظ اور مقامی

اثرات جو اردو زبان میں استعمال ہو رہے تھے کم ہونے لگے اور فارسی الفاظ و تخیل زیادہ زور کے ساتھ اردو میں داخل ہونے لگے۔ چونکہ دہلی کے اس وقت کے شعراء ولی کے کلام سے متاثر تھے اس لیے انہوں نے بھی یہی رنگ اپنی شاعری کو دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طرز تخیل اور طرز بیان دونوں میں فارسی کا اثر غالب ہونے لگا۔ ولی کے آنے سے پہلے ہی شمالی ہند میں اردو زبان اور شعر کا چرچا عام ہو چکا تھا۔ ولی کی آمد نے اس بزم میں تازگی پیدا کر دی۔

میر تقی میر

میر محمد تقی نام، میر تخلص۔ ۱۷۲۴ء میں شہر اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میر محمد علی تھا۔ جو دنیا سے بے نیاز، درویش صفت، عابد شب، زندہ دار بزرگ تھے۔ اسی وجہ سے لوگ انہیں علی متقی کہتے تھے۔

میر تقی میر صرف دس سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس صغیر سنی میں شفقت پدری سے محروم ہو جانے کے سبب میر کو در در کی خاک چھاننی پڑی۔ پھر مستقل طور پر دہلی میں اقامت گزیں ہو گئے۔ میر کی شاعری دہلی ہی میں معراج کمال کو پہنچی۔ ان کے کلام کی شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے اشعار کو بطور تحفہ دور دراز شہروں میں لے جایا کرتے تھے۔ سخن سنجانِ ادب کے ایوان میں میر، میر مجلس بنے اور ناخدائے سخن کہلائے۔ تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنی قادر الکلامی اور فطری شاعرانہ صلاحیت سے اردو شاعری کے مسلم الثبوت استاد قرار دیے گئے۔

لیکن انقلابات زمانہ نے کبر سنی میں میر کی کتاب حیات کو پھر منتشر کر دیا۔ سلطنت مغلیہ کی بنیاد کمزور ہو گئی۔ باغیوں، سرکشوں اور لٹیروں نے شرفائے دلی کی زندگی دوبھر کر دی۔ غرض زمانہ اور ماحول کی ناسازگاریوں سے مجبور ہو کر بصد حسرت ویاس میر بھی دیگر شعرائے دلی کی طرح شاہجہان آباد کو خیر باد کہہ کر ۱۷۸۴-۸۵ء میں لکھنؤ پہنچ گئے۔ وہاں بھی ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ از راہ قدر دانی نواب آصف الدولہ نے میر کے لیے دو سو روپیہ ماہانہ مقرر کر دیا۔

میر کے کلام کا ذخیرہ نہایت وافر ہے۔ ایک دیوان فارسی کا ہے اور چھ دیوان اردو کے ہیں۔ ایک مختصر رسالہ "فیض میر" اور ایک شعرائے اردو کا تذکرہ "نکات الشعراء" لکھا۔

اردو کے دیوان میں غزل کے علاوہ مثنوی، قصیدہ، رباعی، مخمس، مستزاد، مسدس وغیرہ سب ہی کچھ ہیں۔ میر "واسوخت" کے موجد بھی کہے جاتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر کو قدرت نے شاید غزل گوئی کے لیے پیدا کیا تھا۔ قسام ازل نے میر کو ایک دردمند دل عطا کیا تھا۔ اسی درد نے میر کی غزلوں میں ایک ایسا سوز و گداز پیدا کر دیا، ایسی تاثیر اور نشتریت پیدا کر دی، ایسی سادگی اور نرمی عطا کر دی جو آج تک کسی دوسرے شاعر کی غزلوں کو نصیب نہ ہوئی۔ میر کی شاعرانہ انفرادیت اور شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں اسی کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ میر کی زبان نہایت صاف، شستہ، سہل، رواں اور پاکیزہ ہے۔ بناوٹ اور تصنع سے بہت دور۔ اسی لیے شاید مولانا آزاد نے "آب حیات" میں میر کو "اردو کا سعدی" قرار دیا ہے۔ میر کا انتقال ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں لکھنؤ میں ہوا۔

خواجہ میر درد

خواجہ میر درد اٹھارہویں صدی کے ایک ممتاز اور مشہور صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کا شمار اس زمانے کے بلند پایہ شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ کا نام خواجہ میر اور تخلص درد تھا۔ دلی کے ایک صوفی خاندان میں ۱۷۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ مذہبی علوم کے ماہر تھے۔ مزاج میں فقیرانہ شان تھی۔ انکسار، قناعت اور استغنا آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ دلی کے قیامت خیز ہنگاموں سے متاثر ہو کر اکثر شعراء ترک وطن پر مجبور ہوئے لیکن آپ کے پائے استقامت میں تزلزل نہ ہوا اور آپ دلی سے باہر نہ گئے۔

اردو زبان و ادب اور شعر و سخن کی ترقی میں آپ کا نمایاں حصہ ہے۔ آپ اردو شاعری میں اپنے متصوفانہ خیالات و مضامین کے لیے ممتاز و مشہور ہیں۔ آپ کی غزلوں میں عشق مجازی اور عشق حقیقی کے بڑے دل کش اور حسین جلوے مچلتے نظر آتے ہیں۔ دل اور دماغ کی پاکی و پاکیزگی آپ کی زبان اور انداز بیان میں بھی پائی جاتی ہے۔ سنجیدگی اور متانت کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ الفاظ سیدھے سادے اور عام فہم استعمال کرتے ہیں۔ غزلوں میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں، جو اب متروک ہو چکے ہیں لیکن ان کے زمانے میں عام طور پر رائج اور مستعمل تھے۔ آپ کی غزلوں میں اعلیٰ تخیل کی نورانی کرنیں بھی ملتی ہیں اور قلب حزیں کا درد بھی۔ آپ کا انتقال ۱۷۸۵ء میں ہوا۔

میر انشاء اللہ خاں انشاء

میر انشاء اللہ خاں انشاء، میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے تھے۔ آپ مرشد آباد میں پیدا ہوئے۔ میر ماشاء اللہ حکیم اور شاعر بھی تھے اور عالم و فاضل بھی۔ چنانچہ انشاء کی تعلیم و تربیت انہی کے ہاتھوں ہوئی۔ شاہ عالم ثانی کے عہد حکومت میں انشاء دہلی پہنچے اور دربار شاہی سے منسلک ہوگئے۔ پھر دہلی چھوڑ کر لکھنؤ کا رخ کیا۔ اور کچھ دنوں تک شاہ عالم ثانی کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ کی شاہانہ سرپرستی میں رہے۔ بعد ازاں نواب سعادت علی یار خاں کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ یہیں انشاء کے اقبال آفتاب نصف النہار کو پہنچ کر نہایت آب و تاب سے چمکا بھی اور یہیں زرد ہو کر غروب بھی ہوا۔ ۱۸۱۰ء میں یہ نواب موصوف کے عتاب میں گرفتار ہوئے اور ان کے اقبال نے ان سے منہ موڑ لیا۔ انشاء کی زندگی کے آخری ایام مصائب و آلام میں بسر ہوئے۔ بالآخر ۱۸۱۷ء میں موت نے انہیں تمام مصیبتوں سے نجات دلا دی۔

انشاء کے علم و فضل، ذہن و ذکاوت، تیزی و طباعی، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی، مشق سخن اور زور کلام کا ایک عالم قائل ہے۔ انشاء نے اردو فارسی کے علاوہ پنجابی، پوربی بھاشا، مرہٹی، کشمیری زبانوں کو بے ساختہ استعمال کر کے اپنی طبیعت کی ہمہ گیری اور رنگارنگی کا ثبوت دیا ہے۔ "کلیات انشاء" ان کی فطری شاعرانہ صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔

"کلیات" کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب "دریائے لطافت" بھی لکھی ہے، جو اردو قواعد کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ خالص ہندوستانی زبان میں "رانی کیتکی" کا قصہ بھی لکھا ہے جس کے اندر عربی و فارسی کے الفاظ بالکل نہیں پائے جاتے۔ انشاء کی غزلیں اپنے اندر ایک خاص دل کشی اور کشش رکھتی ہیں۔

خواجہ حیدر علی آتش

خواجہ حیدر علی آتش کے آباو اجداد کا وطن دلی تھا۔ ان کے والد خواجہ علی بخش، نواب شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد چلے آئے اور یہیں آتش ۱۷۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یہی سبب ہے کہ آتش کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی اور طبیعت آزاد روی کی طرف مائل ہوگئی۔ نواب محمد تقی کے ساتھ لکھنؤ پہنچے تو یہاں شاعری

کی گرم بازاری دیکھی۔ ہر جگہ شعر و سخن کا چرچا دیکھا۔ چنانچہ انہیں بھی شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مصحفی کی شاگردی اختیار کی اور پھر بہت جلد خود ہی ایک استاد کامل ہوگئے۔

طبعاً نہایت قانع تھے۔ بادشاہ کے یہاں سے اسی روپیہ مہینہ ملتا تھا۔ اسے چند دنوں میں خرچ کر دیتے۔ اگر کوئی دوسرا کچھ سلوک کرنا چاہتا تو کبھی قبول نہ کرتے۔ لکھنؤ میں نواز گنج کے قریب ایک مکان خرید لیا تھا۔ وہیں شادی بھی کی، ایک بیٹا محمد علی پیدا ہوا جو بعد میں محمد علی جوش کے نام سے مشہور ہوا۔ فقیرانہ اور قلندرانہ شان سے زندگی بسر کرتے ہوئے ۱۸۴۶ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تمام عمر غزلوں کے سوا کسی دوسری صنف میں طبع آزمائی نہیں کی۔ آتش کے کلام میں ان کے تخلص کی رعایت سے کافی گرمی پائی جاتی ہے۔ زبان و کلام فصیح، بامحاورہ، صاف اور پر اثر ہیں۔ سادگی بھی ہے اور رنگینی بھی۔ درد بھی ہے اور سوز و گداز بھی۔ غزلوں میں عشق و عاشقی کے علاوہ اخلاقی مضامین کی جلوہ گری بھی ہے اور تصوف کی چاشنی بھی۔ لکھنؤ کی تصنع پروری سے اگرچہ آتش کا کلام پاک نہیں پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آتش پر لکھنؤ اسکول کے ساتھ ساتھ دبستان دلی کا بھی اثر ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب

اسد اللہ خاں نام۔ مرزا نوشہ لقب۔ نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ خطاب تھا۔ پہلے اسد تخلص کرتے تھے لیکن بعد میں غالب اختیار کیا۔ والد کا نام عبداللہ بیگ تھا۔ غالب ۱۷۹۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۹ء میں دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔ ابتدائی تعلیم شیخ معظم اور نظیر اکبر آبادی سے پائی۔ اس کے بعد ایک نو مسلم ایرانی سے تحصیل علم کی۔ بعد ازاں مرزا غالب اپنے چچا مرزا نصر اللہ بیگ کے ہمراہ دہلی چلے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ۱۸۳۰ء میں مرزا کلکتہ بھی گئے اور واپسی میں لکھنؤ میں بھی قیام کیا۔ وہیں واجد علی شاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھا۔ واجد علی شاہ نے از راہِ قدردانی پانچ سو روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

غالب فارسی زبان کے ماہر اور بڑے زبردست شاعر تھے۔ اپنے فارسی کلام کے مقابلہ میں اپنی اردو شاعری کو "بے رنگ من است" کہا کرتے تھے۔ لیکن آج ان کی شہرت اور مقبولیت ان کے اسی اردو کلام کے باعث ہے۔

مرزا غالب نے اردو غزل کے دامن کو بہت کشادہ اور وسیع کر دیا۔ اس کے اندر نئے نئے خیالات و مضامین کو جگہ دی۔ پرانی، فرسودہ روش سے احتراز کیا۔ نئی نئی راہیں نکالیں۔ عشق و عاشقی اور گل و بلبل کی کہانیوں پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ان کے علاوہ فلسفہ و تصوف کو داخل کیا۔ سازِ حیات کو اپنی شاعری میں چھیڑا۔ غالب کے انوکھے انداز بیان نے نئے نئے مضامین کو حسین تر بنا کر پیش کیا۔ غالب کے کلام میں شوخی بھی ہے اور متانت بھی۔ تخیل کی بلند پروازی بھی ہے اور معنی آفرینی بھی۔ ان کا کلام بیک وقت رفیع بھی ہے اور عمیق بھی۔ غرض غالب کا مختصر سا اردو دیوان حسین رنگا رنگ پھولوں کا ایک خوبصورت اور جاذب نظر گلدستہ ہے۔ معنبر و معطر، تازہ، شگفتہ اور سدا بہار۔

حکیم مومن خاں مومن

حکیم غلام نبی خاں کے فرزند حکیم مومن خاں مومن ۱۸۰۰ء میں بمقام دلی پیدا ہوئے۔ مولانا شاہ عبدالقادر سے عربی پڑھی۔ بعد ازاں اپنے والد اور چچا سے طب کی کتابیں پڑھیں۔ پھر علم نجوم کا شوق پیدا ہوا اور اس میں کمال حاصل کیا۔ شعر و شاعری کی طرف فطری میلان تھا۔ ابتدا میں شاہ نصیر دہلوی کو اپنا کلام دکھایا۔ پھر خود مشقِ سخن کرنے لگے۔ طبعاً نہایت قانع اور خوددار واقع ہوئے تھے۔ کبھی کسی اہل ثروت یا بادشاہ وقت کی تعریف میں اپنے دیگر معاصرین کی طرح زبان قلم کو وا نہ کیا۔ رنگینی مزاج اور شوخی طبع کے لیے مشہور تھے۔ باوضع اور خوش وضع تھے۔ عاشق مزاج بھی تھے اور دیندار بھی۔ جوانی ہی میں سید احمد صاحب شہید کے مرید ہوئے اور تمام عمر ان کے عقائد کی پیروی کی۔

تاریخ گوئی میں مومن کو بڑا کمال حاصل تھا۔ "کلیات مومن" میں غزل، قصیدہ، مخمس، مسدس، ترجیع بند، مرثیہ سب ہی کچھ موجود ہیں۔ کوٹھے سے گر کر ۱۸۵۲ء میں اردو کے اس نازک خیال شاعر نے انتقال کیا۔

غزل گوئی کے میدان میں مومن نہایت کامیاب اور معاصرین غالب میں سب سے ممتاز ہیں۔ ان کا کلام عاشقانہ جذبات سے مملو ہے اور ندرت بیان اور جدت ادا، نازک خیالی اور بلند پردازی کے لیے مشہور ہے۔ ان کی زبان میں ایک قسم کی حلاوت، شیرینی اور ترنم ریزی پائی جاتی ہے۔

علی محمد شاد عظیم آبادی

سید علی محمد نام اور شاد تخلص تھا۔ والد کا نام سید عباس مرزا تھا۔ شاد کی پیدائش ۱۸۴۶ء میں عظیم آباد (پٹنہ) میں ہوئی۔ شاد کا خاندان عرصۂ دراز سے اپنے علمی کمالات اور شاہی خدمات کی وجہ سے ممتاز اور مشہور رہا ہے۔ اردو، فارسی اور عربی کی تحصیل کے بعد شاد نے ابتدائے شباب ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور اپنی ساری زندگی ادب کی خدمت میں صرف کر دی۔ شاد کی زبان دانی، شاعری اور قادر الکلامی کا معترف سارا ہندوستان ہے۔ خیالات کی گہرائی، طرز بیان کی شگفتگی، جذبات و احساسات کی شدت و صداقت، اخلاق و تصوف کے بیان، درد و حسرت اور سوز و گداز کی مرقع نگاری کے اعتبار سے شاد کا اپنا ایک خاص مقام ہے۔ اردو غزل گوئی کی تاریخ میں شاد کی شاعری ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم اسے دلی اور لکھنؤ کی شاعری کا ایک حسین سنگم اور دلکش امتزاج کہہ سکتے ہیں۔ جس میں دبستان دلی کی داخلیت بھی ہے اور لکھنؤ اسکول کی صحت مند خارجیت بھی۔ اسی خصوصیت نے شاد کی غزلوں میں ایک انفرادی شان پیدا کر دی ہے۔ شاد کی زبان اتنی فصیح و بلیغ ہے کہ ارباب نظر نے انہیں وقت کا میر قرار دیا ہے۔

شاد نے اکثر اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ غزلوں کے علاوہ مراثی، قطعات رباعیات اور نظمیں بھی لکھی ہیں۔ "کلام شاد"۔ مجموعہ رباعیات۔ "ظہور رحمت" اور مثنوی "مادر ہند" وغیرہ ان کی اہم تصانیف ہیں۔ شاد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے نظم و نثر دونوں کی طرف توجہ کی ہے۔ تاریخ صوبہ بہار، نوائے وطن، نقش پائیدار، ناول صورۃ الخیال، فکر بلیغ اور حیات فریاد شاد کے نثری کارنامے ہیں۔ ان کے انہی کمالات اور ادبی خدمات کے پیش نظر حکومت برطانیہ نے ۱۸۹۱ء میں "خان بہادر" کا خطاب عطا کیا اور ایک ہزار سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ شاد نے ۱۹۲۷ء میں اس دنیا سے رحلت کی۔

مولانا فضل الحسن حسرت موہانی

نام سید فضل الحسن اور حسرت تخلص تھا۔ ۱۸۷۵ء میں بمقام موہان، ضلع اناؤ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پھر علی گڑھ سے بی۔ اے۔ کیا۔ اور علی گڑھ کی علمی و ادبی

درجہ محزون و مایوس کر دیا کہ یہ طبعاً میر ثانی بن گئے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی "باقیاتِ فانی" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "فانی یاسیات کے امام ہیں۔" فانی کے دوسرے مجموعہ کلام کا نام "عرفانیاتِ فانی" ہے۔ فانی کے کلام کی خاص خوبی اور خصوصیت شدتِ اثر، شدتِ جذبات غم اور معنویت ہے۔ اپنی انہی خوبیوں کے سبب فانی دورِ جدید کے ایک ممتاز شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں انتقال کیا۔

رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

رگھوپتی سہائے نام اور فراق تخلص کرتے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں بمقام گورکھپور پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی گورکھ پرشاد ایک کامیاب اور مشہور وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ شاعر بھی تھے۔ اور عبرت تخلص فرماتے تھے۔ فراق کی تعلیم کی ابتدا گھر ہی پر اردو سے ہوئی۔ بعد ازاں انگریزی تعلیم کے حصول کی خاطر اسکول میں داخل کر دیئے گئے۔ فراق بچپن ہی سے نہایت ذہین تھے۔ اسکول اور کالج میں اپنی تیزی اور ذہانت کے سبب بے حد مقبول و مشہور تھے۔ میور سنٹرل کالج، الہ آباد سے امتیاز کے ساتھ بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ حکومت نے فوراً ڈپٹی کلکٹری کے لیے منتخب کر لیا۔ مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا اور کانگریس میں ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے شریک ہو کر جیل جانا منظور کر لیا۔ لیکن ان کا جیل جانا بھی ان کے لیے مفید اور ایک فالِ نیک ثابت ہوا۔ کیونکہ قید خانہ میں اکثر شعراء اور ادب نواز شخصیتوں کی صحبت نصیب ہوئی۔ مداح، عارف، حکیم آشفتہ، مولانا محمد علی جوہر، حسرت موہانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی موجودگی اور ان کی روزانہ کی صحبتوں نے قید خانہ کو ایک ادبی انجمن بنا دیا۔

جب فراق ۱۹۲۷ء میں قید فرنگ سے آزاد ہوئے تو کرسچن کالج، لکھنؤ میں ملازم ہو گئے۔ سناتن دھرم کالج، کانپور نے اردو پڑھانے کے لیے آپ کو بلایا۔ اسی درمیان میں آپ نے انگریزی میں ایم۔ اے کر لیا اور الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہو گئے۔ فراق کی شاعری کا آغاز ان کی الہ آباد کی طالب علمانہ زندگی سے ہو چکا تھا۔ پروفیسر ناصری اور وسیم خیر آبادی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ فراق نے غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ لیکن ان کی شہرت ان کی غزلوں کی وجہ سے ہی ہوئی۔ جو اپنی معنویت، طرزِ تخیل اور اظہارِ خیال کی ندرت اور بانکپن کے سبب اردو ادب کے لیے ایک سرمایہ ثابت ہوئی۔ ۱۹۸۱ء میں آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

فیض احمد فیض

فیض ترقی پسند شعراء میں ایک سپہ سالار کی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے اپنی غزلوں میں عصرِ حاضر کے مسائل کو خصوصیت کے ساتھ پیش کیا ہے اور سماجی زندگی کے باہمی رشتے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ انہوں نے ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے عصری تقاضے کو قبول کیا اور اپنی غزلوں میں نغمہ و انقلاب کو انتہائی خلوص اور دیانت داری کے ساتھ مربوط کیا۔ ان کی غزلوں میں تغیرات اور انقلابات کا واضح تصور ملتا ہے۔ ان کی تمام غزلوں کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے سماج کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں جہاں صرف محبت ہی محبت ہو۔ انسانیت اور ہمدردی ہو۔ ان کی غزلوں کی ایک اہم خصوصیت ملک کی یکجہتی اور انسانی رشتے کا احترام بھی ہے۔ ان کی غزلوں میں آزادیِ خیال کی اور ترقی پسند نقطہ نظر کی آبرومندانہ چمک دکھائی دیتی ہے۔ فیض نے اسلوب و ہیئت اور موضوعات کے تنوع میں غیر معمولی تجربے اور اضافے کئے ہیں۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں پرانی علامتوں کو جن نئے معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہے وہ آج کے ذہنی کرب و آثار سے ملوث ہے۔ انہوں نے غزلوں کے عام مستعمل لفظوں کو اپنے انفرادی تغزل سے خاص رنگ کا حامل بنا دیا ہے۔ ان کی غزلوں میں انفرادی رنگ و آہنگ کی توانائی ملتی ہے۔ فیض نے ذکرِ محبوب کے پہلو بہ پہلو غمِ دوراں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں شدتِ احساس، جذبہ کی حرارت اور فکر کی تاثیر بدرجہ اتم موجود ہے۔ مجموعی طور پر ان کی غزلیں قلب و نظر کا عمدہ امتزاج پیش کرتی ہیں۔

OO

فضا میں ان کی ذہنی نشو و نما ہوئی۔ حسرت شیخ امیر اللہ تسلیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ تسلیم، نسیم دہلوی کے اور نسیم، مومن کے شاگرد تھے۔ اس طرح حسرت کا شجرۂ تلمذ اردو کے نازک خیال اور زندہ دل شاعر مومن سے جاملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسرت اگرچہ اودھ کے رہنے والے تھے اور لکھنؤ سے بہت قریبی تعلق تھا، لکھنؤ کی زبان ان کے یہاں موجود ہے، تاہم انہوں نے دہلوی رنگ تغزل کو پسند کیا اور مومن و نسیم کی پیروی کی۔

حسرت کے کلام میں اعلیٰ خیالات، صحیح جذبات، قلبی واردات، جوش و شوق، لطافت بیان، جدت اسلوب، عشق مجازی کی والہانہ شگفتگی، نزاکت اور بانکپن، غرضیکہ غزل جدید کی تمام خصوصیات دلکش و مؤثر شکل میں موجود ہیں۔ حسرت کی شاعرانہ فطرت نے ان کی زندگی پر اور ان کے سوانح حیات نے ان کی شاعری پر گہرا اثر ڈالا۔ بقول پروفیسر حامد حسن قادری "حسرت عاشق ہیں تو شاعر ہیں، صوفی ہیں تو شاعر ہیں، آزاد ہیں تو شاعر ہیں، گرفتار ہیں تو شاعر ہیں، میدان عرفات میں لبیک زن ہیں تو شاعر ہیں، مسلمان ہیں تو شاعر ہیں، محب قوم و وطن ہیں تو شاعر ہیں، میدان سیاست میں گرم رو ہیں تو شاعر ہیں۔"

حسرت نے "غزل" کے علاوہ کچھ نہیں لکھا۔ غزلوں کے چار پانچ دیوان مرتب کئے۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ء تک دس بارہ سال ان کی غزل گوئی کا بہترین دور رہا ہے۔ حسرت کی اس زمانہ کی غزلیں اردو غزل اور اردو ادب کے لیے مایہ ناز ہیں۔ واقعیت و معنویت، شیرینی و لطافت، ندرت و جدت، لطف و اثر ان کے یہاں ہے۔ پھر ہندوستانی سیاست میں سرگرم عمل ہو جانے کے بعد حسرت کی غزل میں ایک نمایاں انقلاب رونما ہوا۔ یعنی ان کے کلام پر مذہب، تصوف اور تسلیم و رضا کا غلبہ ہونے لگا۔ اور ذوق و شوق، جوش و ولولہ، جدت و رفعت، محبت کی لگاوٹوں اور رنگینی و لطافت میں کمی ہونے لگی۔ یہ دراصل حسرت کی شاعری کے زوال اور ان کی روحانیت کے عروج کا زمانہ ہے۔

حسرت صرف شاعر ہی نہیں تھے، بلکہ صوفی بھی تھے اور میدان سیاست کے ایک کہنہ مشق، دلیر اور بے خوف وجری لیڈر بھی۔ وہ ایک محب وطن اور ہمدرد قوم تھے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ قید فرنگ کی مشقتیں جھیلیں۔ کبھی جیل خانہ میں مزے لے لے کر چکی پیستے اور ساتھ ہی ساتھ مشق سخن کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مولانا حسرت نہایت سادہ وضع و قطع کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں اس قدر سادگی تھی کہ صرف تہد اور کرتا پہن کر بڑی بڑی مجلسوں میں چلے جاتے۔ اپنی وضع کے پابند، اپنے خیالات میں اٹل، پختہ مزاج اور حریت پسند تھے۔

حسرت کا شمار ان چند مخصوص شعراء میں ہوتا ہے جو غزلوں میں تغزل کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اور یہی ان کے کلام کا امتیازی پہلو ہے۔ ۱۳؍ مئی ۱۹۵۱ء کو فرشتہ اجل نے ان کی ہنگامہ پرور زندگی کو شہر خموشاں کی راہ دکھا دی۔

شوکت علی خاں فانی بدایونی

شوکت علی خاں نام اور فانی تخلص کرتے تھے۔ ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کے زمانہ میں فانی کے جدامجد نواب بشارت علی خاں کابل سے ہندوستان آئے۔ اور صوبہ بدایوں کے گورنر مقرر ہوئے۔ فانی کے والد مرحوم محمد شجاعت علی خاں محکمہ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا کوئی آزاد پیشہ اختیار کرے۔ چنانچہ انہوں نے فانی کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ فانی نے انٹرنس تک اپنے وطن بدایوں میں تعلیم حاصل کی۔ بریلی کالج سے بی۔ اے اور محمڈن کالج علی گڑھ سے ایل۔ ایل۔ بی کیا۔

شعر و سخن کا شوق بچپن ہی سے تھا، لیکن ان کے والد انہیں شعر کہنے سے ہمیشہ روکا کرتے تھے۔ فانی نے پہلی غزل صرف گیارہ سال کی عمر یعنی ۱۸۹۰ء میں کہی تھی۔ لیکن والد کی مخالفت کے سبب نہایت پوشیدہ طور پر شاعری کیا کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ فانی باضابطہ طور پر کسی استاد فن سے استفادہ نہ کر سکے۔ ایک مرتبہ خط و کتابت کے ذریعہ داغ دہلوی سے مشورۂ سخن کرنا چاہا مگر یہ راز افشا ہو گیا اور انہیں یہ سلسلہ تلمذ بھی منقطع کر دینا پڑا اور محض ذاتی شوق اور مذاق سلیم کی رہنمائی میں مشق سخن کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خود بخود ان کا ایک خاص رنگ پیدا ہو گیا۔

فانی نے تین دیوان تصنیف کیے۔ دو مثنویاں اور دو ڈرامے بھی لکھے، مگر عدم توجہی کے سبب یہ تمام ذخائر تلف ہو گئے۔ بچا بچایا کلام "باقیات فانی" کے نام سے شائع ہوا۔

فانی کی زبان صاف اور شیریں ہے۔ فارسی ترکیبیں بھی دلکش اور مناسب ہیں۔ لطف محاورہ بھی موجود ہے۔ خیالات میں گہرائی بھی ہے اور بلندی و رفعت بھی۔

فانی کی پرالم زندگی نے، حیات کی ناسازگاریوں اور زمانہ کی ستم کاریوں نے انہیں اس

مثنوی

مثنوی ایک بیانیہ، توضیحی اور منظوم صنف سخن ہے۔ دوسری تمام شعری اصناف کی جھلک اس میں موجود ہے اسی سبب حالی سے لے کر موجودہ عہد تک کے نقادوں نے اسے کار آمد اور زیادہ ہمہ گیر بتایا ہے جذبات نگاری، مناظر قدرت، واقعہ نگاری، اور تخیل کی بلند پروازی، مثنوی سے زیادہ کسی صنف میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ اس میں قصہ اور نظم دونوں کے تقاضے کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ قدیم زمانے میں مثنوی چھوٹی بحر میں لکھی جاتی تھی۔ میر حسن اور مولانا حالی کی بیشتر مثنویاں چھوٹی بحر میں ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد نے البتہ بڑی بحر میں مثنویاں لکھیں ہیں۔ مثنوی کی روایت اردو شاعری میں ایران سے آئی۔ لیکن بذات خود لفظ مثنوی عربی ہے۔ اور مثنیٰ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی اثنین یعنی دو کے ہیں۔ ابو شکور بلخی کو مثنوی کا موجد مانا گیا ہے۔ اس نے "آفریں نامہ" کے علاوہ بھی کئی مثنویاں لکھی ہیں۔ اردو میں مثنوی کی ابتدائی کوشش شیخ فرید گنج شکر، امیر خسرو، میراں جی شمس العشاق کے کلام میں ملتی ہے۔ لیکن ان کی بنیاد مذہب پر ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے کدم راؤ پدم راؤ کو طویل مثنویوں کا قدیم ترین نمونہ قرار دیا ہے۔ اس مثنوی کا مصنف نظامی ہے۔ جو بہمنی سلطنت کا درباری شاعر تھا۔ اس کے بعد ملا وجہی کی قطب مشتری (۱۰۱۸ھ) غواصی کی سیف الملوک وبدیع الجمال (۱۰۳۵ھ) اور مقیمی کی چندر بدن وماہ یار (۳۸۔۱۰۳۵ھ) ہے۔ یہ تمام مثنویاں عاشقانہ ہیں۔ قطب مشتری میں قلی قطب شاہ اور مشتری یعنی در پردہ بھاگ متی کے عشق کی داستان ہے اس مثنوی کو ملا وجہی نے صرف بارہ دنوں میں لکھا تھا۔ مقیمی کی چندر بدن وماہ یار ایک ہندو راجہ کی بیٹی چندر بدن اور ایک مسلمان عاشق ماہ یار کا قصہ ہے۔ دکن کی پہلی بڑی مثنوی رستمی کی مثنوی "خاور نامہ" ہے جو ۱۰۵۹ھ میں لکھی گئی۔ اس میں اتنی ہزار اشعار نظم کیے گئے تھے۔ یہ مثنوی بہ لحاظ طوالت فردوسی کے شاہنامہ سے بھی زیادہ طویل اور ضخیم ہے نصرتی کی بزمیہ مثنوی گلشن عشق اور رزمیہ مثنوی علی نامہ ہے۔ "علی نامہ" "شاہنامہ" کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد ابن نشاطی نے مثنوی پھول بن لکھی۔ اس کے بعد اہم مثنوی "بوستان خیال" ہے جس

کا مصنف سراج اورنگ آبادی ہے۔ اسے ۱۱۶۰ھ میں لکھا گیا۔ بعد ازاں دکن میں بہت سی مثنویاں لکھی گئیں۔ یہ سفر طے کرتے ہوئے شمال آئیں اور پھر یہاں بھی عمدہ مثنویاں لکھی گئیں۔ ان میں میر تقی میر کی شعلہ عشق، دریائے عشق، معاملات عشق، اعجاز عشق، جوش عشق، اور خواب وخیال اہم ہیں۔ ان کے بعد راسخ عظیم آبادی کی جذب عشق، کشش عشق، حسن و عشق لکھی گئی۔ پھر میر درد کے چھوٹے بھائی امیر اثر نے خواب وخیال لکھی اور یہ سفر آگے بڑھا۔ مومن نے بھی کئی عاشقانہ مثنویاں لکھیں۔ اس کے بعد میر حسن نے سحر البیان اور پنڈت دیا شنکر نسیم نے گلزار نسیم لکھی۔ جس میں اول الذکر کو دہلی کی اور دوم کو لکھنؤ کی نمائندہ مثنوی کی حیثیت حاصل ہے۔ شمال میں مرزا شوق کی مثنوی زہر عشق کو بھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ سلسلہ دکن کے مقابلے شمال میں زیادہ پھلا پھولا۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر میں مثنوی کا زوال شروع ہوا اور بہت کم شعراء نے اس کی طرف توجہ کی۔ زمانے کا مذاق بدل جانے، قومی، مذہبی اور نیچرل نظموں کے رواج نے مثنوی کو زوال پذیر بنا دیا۔

مثنوی قطب مشتری : مثنوی قطب مشتری ملا وجہی کی تصنیف ہے جس میں قلی قطب شاہ کے عشق کی داستان کو منظوم کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۰۱۸ھ میں لکھی گئی۔ ملا وجہی، قلی قطب شاہ کا درباری شاعر تھا۔ اس نے سب رس، جیسی کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ ایک شاعر کی حیثیت سے ملا وجہی کامیاب ہیں۔ مگر اس مثنوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصہ گوئی میں کامیاب نہیں ہیں۔ مثنوی قطب مشتری چونکہ قلی قطب شاہ کے عشق کی داستان ہے اس لیے اس کے کردار بھی حقیقی زندگی سے ہی اخذ کیے گئے ہیں لیکن کردار نگاری میں بھی وجہی نے کوئی کمال نہیں دکھایا ہے۔ کامیاب کردار نگاری کے لیے کرداروں کو ارتقاء پذیر ہونا چاہیے۔ لیکن اس مثنوی کے کردار ارتقاء پذیر نہیں ہیں۔ اس لیے قصے میں جمود کا احساس ہوتا ہے۔ ماجرہ نگاری میں کافی حد تک کامیاب ضرور ہوئے ہیں لیکن منظر نگاری میں انہوں نے اچھے جوہر دکھائے ہیں۔ جذبات نگاری بھی نادر تشبیہ اور استعارے کی وجہ سے کامیاب ہیں۔ اس مثنوی کی زبان قدیم دکنی زبان ہے اس لیے ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جو یا تو نامانوس ہیں یا اب خارج ہو چکے ہیں۔

مثنوی سحر البیان : سحر البیان ۱۷۸۴ء میں لکھی گئی۔ اس کے مصنف میر حسن دہلی کے رہنے والے تھے مگر سحر البیان لکھنوی معاشرے کے اثرات سے مملو ہے۔ چونکہ یہ اودھ میں لکھی گئی اس لیے اسے دلی اور لکھنؤ دونوں کی نمائندہ مثنوی کہنا زیادہ

مناسب ہے۔ اس مثنوی میں دلی کی روح گہرائی و گرائی، متانت کے ساتھ لکھنؤ کی ظاہر پرستی تکلف، مرصع کاری بھی ملتی ہے۔ لہذا یہ دونوں دبستانوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ میر حسن کا حسن بیان اور جذبات کی تصویر کشی اور قدرت کلام نے اسے لازوال بنادیا۔ اس مثنوی کی بنیاد ہندوستان کی قدیم داستانوں پر رکھی گئی ہے۔ بقول وزیر آغا "یہ مثنوی مزاجاً گیت کی فضا اور سراپا نگاری کی روش کا ایک نمونہ ہے"

مثنوی گلزار نسیم : دبستان لکھنؤ کی نمائندہ مثنوی کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اس کے مصنف پنڈت دیا شنکر نسیم ہیں انہوں نے مثنوی "سحر البیان" کی مقبولیت سے متاثر ہو کر بکاؤلی کی داستان کو اپنی مثنوی نگاری کے لیے منتخب کیا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ لکھنؤ کا دبستان انتہائی عروج پر پہنچ چکا تھا۔ تکلف پسندی اور تخیل پسندی معاشرت اور ادب دونوں پر پوری طرح سے چھا چکی تھی۔ نسیم نے اس مثنوی میں کہیں کہیں تصنع آرائی اور تکلف پسندی سے الگ ہو کر جذبات انسانی کی کامیاب ترجمانی بھی کی ہے۔ اور جہاں کہیں بھی وہ رعایت لفظی کے گورکھ دھندے سے باہر نکلے ہیں وہاں ان کے بیان کی سلاست میر تقی میر اور میر حسن کی معجزہ نگاری کا نمونہ بن گئی ہے۔ اس مثنوی میں اعجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ میر حسن کی مثنوی کے مقابلے میں یہ مثنوی کاغذ کے پھول کی مانند ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں ہے گرچہ سلاست اور فصاحت دونوں اس میں موجود ہیں۔ اس مثنوی کے بیسوں اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ یہ مثنوی نسیم نے ۱۸۳۸ء میں تصنیف کی۔

مثنوی زہر عشق : یہ مثنوی اردو کی بدنام مثنویوں میں شمار ہوتی ہے اس کی سن تصنیف ۶۲-۱۸۶۰ کے درمیان ہے۔ اس کے مصنف نواب مرزا شوق ہیں۔ اس مثنوی کے علاوہ مرزا شوق کی تین اور مثنویاں ہیں۔ بہار عشق، فریب عشق اور لذت عشق۔ مرزا شوق کی مثنویوں کو حالی روزمرہ اور محاورہ کی صفائی، قافیوں کی نشست، ترکیبوں کی چستی اور مصرعوں کی برجستگی کے لحاظ سے تمام اردو کی مثنویوں سے بہتر قرار دیتے ہیں۔ یہ مثنوی ایک پر خلوص محبت کی داستان ہے۔ جسے مرزا شوق نے واقعیت اور حسیت کے سہارے شاہکار بنادیا ہے۔ اس مثنوی میں عشق کا جذبہ بے حد متحرک ہے۔ لیکن انجام کار مایوسی، نامرادی اور غم محرومیٔ جاوید پر ختم ہوتا ہے۔ اس مثنوی کو زبان کی سادگی اور عمدہ جذبات نگاری کے علاوہ اس وجہ سے بھی اہمیت ہے کہ اس میں جن اور پری کے کردار نہیں ہیں بلکہ زندگی کے عام کردار محبت کے تجربے سے گزرتے دکھائی دیتے ہیں۔ OO

قصیدہ

قصیدہ کے لغوی معنی "مغز" کے ہیں۔ لفظ قصیدہ "قصد" سے مشتق ہے۔ اصطلاح شعر میں قصیدہ اس صنف نظم کو کہتے ہیں، جس میں کسی کی تعریف یا برائی بیان کی جائے۔ اول الذکر قسم کے قصیدہ کو "مدحیہ اور آخرالذکر کو "ہجویہ" کہتے ہیں۔ قصیدہ میں غزل کی طرح مطلع اور مقطع بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے قصیدہ کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اور بقیہ اشعار کے تمام مصرعہ ثانی میں قافیہ کی پابندی کی جاتی ہے۔ قصیدہ میں کم سے کم پندرہ اشعار کا ہونا لازی ہے اور زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ قصیدہ اپنی ردیف یا قافیہ یا مضمون کے لحاظ سے موسوم ہوتا ہے۔ مثلاً اگر قافیہ میں "لام" ہے جیسے نکل، سنبھل، کنول وغیرہ تو قصیدہ "لامیہ" کہلائے گا۔ اگر آفتاب ردیف ہے تو "شمسیہ" بہار کا ذکر ہے تو "بہاریہ"۔ اپنی تعریف ہے تو "فخریہ"۔ علاوہ ازیں "عشقیہ"۔ "حالیہ"۔ "شہر آشوب"۔ "جہاں آشوب" وغیرہ بھی قصیدہ کی قسمیں ہیں۔ اگرچہ قصیدہ، غزل سے صورتاً مشابہ ہوتا ہے لیکن دونوں میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ غزل میں مضمون کی کوئی قید نہیں ہوتی اور قصیدے میں ایک خاص قسم کا مضمون قلمبند کیا جاتا ہے۔

قصیدہ چار حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے حصہ کو "تشبیب"۔ دوسرے کو "گریز"۔ تیسرے کو "مدعا" اور چوتھے کو "دعائیہ" کہتے ہیں۔ پہلے حصے میں نفس کلام یعنی ممدوح کی تعریف سے بحث نہیں ہوتی۔ اس کے اندر شاعر اپنی خواہش کے مطابق جس مضمون کو چاہتا ہے نظم کرتا ہے۔ اس پر کسی طرح کی فنی پابندی نہیں ہوتی۔ اس میں اسے اپنی جدت، ذہانت اور طباعی کا ثبوت پیش کرنے کا موقع ملتا ہے۔ کوئی قصیدہ نگار اس حصہ میں مناظر قدرت کی تصویر کشی کرتا ہے، کوئی ذاتی جذبات و کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے، کوئی فکر و خیال کی بلندی کا اظہار کرتا ہے تو کوئی پند و موعظت اور درس و نصیحت کے دفتر کھول دیتا ہے۔ کبھی اس کے اندر اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

"تشبیب" کے بعد نفس مطلب کی طرف "گریز" ہوتی ہے۔ گریز کا حصہ عموماً مختصر

ہوتا ہے۔ شاعر ایک دوسرے مضمون کو بیان کرتے کرتے، فنکارانہ طور پر نہایت ہوشیاری اور چابکدستی سے اپنے نفس مطلب یعنی ممدوح کی تعریف و توصیف کا آغاز اس طرح کر دیتا ہے کہ دونوں حصے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ دونوں مضامین کے اندر بادی النظر میں کوئی اختلاف نظر ہی نہیں آتا اور غور کرنے پر بھی تشبیب کا حصہ "گریز" کی ساحرانہ کیفیت سے قصیدے کے تیسرے یعنی مدحیہ حصے کا پس منظر معلوم ہونے لگتا ہے۔ قصیدہ کا یہی تیسرا یعنی مدحیہ حصہ نہایت اہم ہوتا ہے۔ اسی کے اندر شاعر نہایت پرشکوہ انداز میں اپنے ممدوح کی مبالغہ آمیز تعریف بیان کرتا ہے۔ اکثر مدحیہ قصائد میں اسی حصہ کے اندر شاعر کا "حسن طلب" بھی پایا جاتا ہے۔ مدح کرتے کرتے جب شاعر اختتام قصیدہ کے قریب پہنچتا ہے تو اپنے ممدوح کے لیے دعائے خیر کرتا ہے۔ یہی قصیدہ کا آخری حصہ ہے جسے "دعائیہ" کہتے ہیں اس میں بھی بالعموم اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

اردو ادب میں دو باکمال قصیدہ گو شعرا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یعنی سوداؔ اور ذوقؔ۔

مرزا محمد رفیع سوداؔ

مرزا محمد رفیع سوداؔ ۱۷۱۳ء میں بمقام دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا۔ اردو شاعری کے ایک مسلم الثبوت استاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ نہایت خوددار اور غیور واقع ہوئے تھے۔ طبیعت میں بلا کا زور اور جوش تھا۔ دلی کے سیاسی زوال، جاٹوں اور مرہٹوں کے پیہم حملوں میں ایک عام طوائف الملوکی کے سبب جب شہنشاہ دہلی محض شاہ شطرنج بن کر رہ گئے تو سوداؔ ناخواستہ وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے۔ ساٹھ سال کی عمر میں فرخ آباد ہوتے ہوئے فیض آباد پہنچے۔ نواب شجاع الدولہ نہایت عزت و تکریم سے پیش آئے اور ان کی تنخواہ مقرر کر دی۔ پھر جب نواب موصوف کے بعد آصف الدولہ مسند نشیں ہوئے اور لکھنؤ کو پایۂ تخت بنایا تو مرزا بھی ان کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور تازیست شاہی قدردانیوں کی بدولت آسودہ حال اور فارغ البال رہے اور بالآخر ۱۷۸۱ء میں انتقال کیا۔

سوداؔ نے غزل کے علاوہ تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ اور ہر رنگ میں کامیاب رہے۔ لیکن ان کا فطری جوہر قصیدہ کے میدان میں چمکا۔ میر اور سوداؔ ہم رتبہ سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن سوداؔ سادگی اور سوز و گداز کی بجائے شکوہ الفاظ اور رفعت خیال و بیان کے

شاعر ہیں۔ یہ سوداؔ ہی کی ذات گرامی ہے، جس نے اردو قصائد کو فارسی قصیدے کے ہم پلہ بنا دیا اور مفکرانہ شاعری کی داغ بیل ڈالی۔ فصاحت و بلاغت، نشست الفاظ، بندش کی چستی، تخیل کی بلندی اور جدت و ندرت سوداؔ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

ذوقؔ ایک غریب سپاہی شیخ محمد رمضان کے بیٹے تھے۔ ۱۷۸۹ء میں دلی میں پیدا ہوئے۔ حافظ غلام رسول شوقؔ کے مکتب میں ابتدائی تعلیم پائی۔ شوقؔ ہی کی صحبت نے شیخ محمد ابراہیم کے دل میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا کر دیا اور شاید اپنے استاد کے تخلص کی رعایت ہی سے انہوں نے اپنا تخلص ذوقؔ رکھا۔ لیکن جب مشق سخن ہو گئی تو شاہ نصیر دہلوی کی شاگردی اختیار کر لی۔ اور ان کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ چند ہی روز میں سارے شہر کے اندر مشہور و مقبول ہو گئے۔ ولی عہد ابو ظفر بہادر شاہ کے استاد مقرر ہوئے۔ انیس سال کی عمر میں ذوقؔ نے اکبر شاہ ثانی کی مدح میں ایک شاندار قصیدہ لکھا جس کے صلے میں ان کو "خاقانی ہند" کا خطاب ملا۔ جب بہادر شاہ بادشاہ ہوئے تو انہوں نے ذوقؔ کو "ملک الشعراء" کا خطاب عطا کیا۔ غدر سے ڈھائی تین سال قبل ۱۸۵۴ء میں ذوقؔ کا انتقال ہوا۔ ذوقؔ نے اپنی غزلوں میں عاشقانہ مضامین کے علاوہ اخلاقی اور صوفیانہ خیالات و مضامین کو بھی نہایت سلیقے سے پیش کیا ہے۔ قصیدہ گوئی میں ذوقؔ کا پایہ بہت بلند ہے۔ سوداؔ کے بعد اس صنف شاعری کے معیار کو قائم رکھنے میں ان کا نام سرفہرست ہے۔ مضامین میں تنوع، بیان میں زور اور علمیت خاص طور سے نمایاں ہے۔ ترنم کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ تشبیب میں ندرت اور پرکاری سے کام لیا ہے۔ روانی پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

OO

مرثیہ

"مرثیہ" کے لغوی معنی ماتم، رونا، نالہ وشیون وغیرہ ہیں۔ مرثیہ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی موت پر اظہار غم و افسوس کرتے ہوئے اس کے اوصاف بیان کئے گئے ہوں۔ لیکن ایک عرصے سے اردو شاعری کے اندر لفظ "مرثیہ" ایک خاص مفہوم میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اور اب ہم مرثیہ سے وہ نظم مراد لیتے ہیں جس کے اندر سید نا حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے شہدائے کربلا کی شہادت اور صعوبت کے واقعات درج ہوں۔ اگرچہ اسی کے ساتھ ساتھ اکثر شعرا اپنے ذاتی جذبات غم واندوہ کے اظہار کے لیے بھی برابر اس صنف کو استعمال کرتے رہے ہیں۔ غالب کا "مرثیہ عارف"، حالی کا "مرثیہ غالب"، چکبست کا "مرثیہ گوکھلے"، اور اقبال کا "مرثیہ داغ" اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں۔

ابتدا میں مرثیہ بہت مختصر ہوا کرتا تھا۔ اور اس کی کوئی خاص صورت و شکل بھی متعین نہ تھی۔ کبھی مربع کی شکل میں یا کبھی غزل کی صورت میں اسے پیش کیا جاتا تھا۔ لیکن میر و سودا کے زمانہ سے مرثیہ "مسدس" میں لکھا جانے لگا اور رفتہ رفتہ اس کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ میر خلیق اور میر ضمیر کے زمانے سے مرثیہ صرف "مسدس" ہی میں لکھا جانے لگا۔ صنف مرثیہ کو ادبی اور فنی حیثیت بھی خلیق و ضمیر ہی کے عہد سے نصیب ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے میر ضمیر نے مرثیہ کے اجزائے ترکیبی متعین کئے اور اسے آٹھ مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا۔ چہرا، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت اور بین۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس کے مضامین میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی۔ اس کے اندر منظر نگاری، کردار نگاری، جذبات نگاری وغیرہ سبھی چیزیں پیش کی جانے لگیں۔ بین و بکا اور نالہ و فغاں کے علاوہ طبل جنگ کی آواز اور تلواروں کی جھنکار بھی سنائی دینے لگی۔ ذاتی جذبات کے علاوہ مذہبی عقائد اور عقیدت مندیوں کو بھی مرثیوں میں جگہ دی جانے لگی۔

اردو شاعری میں مرثیہ کا وجود زمانہ قدیم سے پایا جاتا ہے۔ دکن میں قطب شاہیوں کے زمانے میں اس کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ شمالی ہند کو میر و سودا نے صحیح طور پر اس صنف

سے متعارف کرایا۔ بعد ازاں شاہان اودھ کی ادب نوازیوں، ان کی حوصلہ افزائیوں اور عوام کی مذہبی عقیدت مندیوں کے سبب مرثیہ کو لکھنؤ میں بے حد فروغ حاصل ہوا اور یہ برابر ترقی کے زینے طے کرتا گیا۔ میر خلیق اور میر ضمیر کی کاوشوں نے اسے ایک مخصوص اور مستقل ہیئت اور شکل و صورت عطا کی۔ ان کے بعد صحیح معنوں میں میر انیس اور مرزا دبیر نے اس صنف کو عروج کمال تک پہنچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرثیہ نگاری میں جو شہرت و مقبولیت انیس و دبیر کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو سکی۔ انہی بزرگوں کی مرثیہ نگاری نے مرثیہ میں رزمیہ شاعری کی تمام خوبیاں داخل کر دیں اور اردو شاعری کی ایک بہت بڑی کمی کو پورا کر دیا۔

میر انیس کا بیان برجستہ اور بالکل قدرتی ہوتا ہے۔ انیس کے مراثی کان فصاحت ہیں۔ زبان کی شیرینی ولطافت، کلام کی صفائی و پختگی، محاورے کا لطف اور روزمرہ کا حسین استعمال انیس کے یہاں جس خوبی کے ساتھ ملتا ہے اس کی نظیر دوسرے کے یہاں مشکل ہی سے ملے گی۔ اس کے برخلاف ان کے ہمعصر مرزا دبیر شکوہ بیان کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ بلند پروازی اور مضمون آفرینی دبیر کی خصوصیات ہیں۔

دور جدید میں جوش ملیح آبادی اور حفیظ نے مرثیہ کے اندر وسعت پیدا کرنے اور اس کی مدد سے قومی کردار سنوارنے کی کوشش کی۔ وہ واقعات کربلا اور شہدائے کربلا کی عظیم الشان قربانیوں سے قوم کو یہ درس دیتے ہیں کہ حق و انصاف، شرافت، خودداری، حمیت و غیرت اور عزت و ناموس کی خاطر ہر طرح کے ظلم و تعدی کا مقابلہ، انجام سے بے نیاز ہو کر شہدائے کربلا کی طرح کرنا چاہئے۔

میر ببر علی انیس

میر ببر علی نام تھا۔ پہلے حزیں تخلص کرتے تھے، پھر انیس اختیار کیا۔ ۱۸۰۴ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباو اجداد میں میر امامی موسوی، نامی ایک صاحب کمال بزرگ ہرات سے دہلی آئے۔ انہیں شعر و ادب کا خاص ذوق تھا۔ ان کے صاحبزادے میر عزیز اللہ کو بھی شعر و شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ اس کے فرزند میر ضاحک دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی سودا کے ساتھ ہمیشہ نوک جھونک رہا کرتی تھی۔ اردو کی

مشہور مثنوی "سحر البیان" کے لکھنے والے میر حسن، میر ضاحک ہی کے بیٹے تھے۔۔ میر حسن کے بیٹے میر مستحسن خلیق نے صحیح معنوں میں جدید مرثیہ نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ میر انیس، خلیق کے لائق بیٹے اور میر حسن کے نامور پوتے تھے۔ ۱۸۷۴ء میں انیس کا لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۷۵ سال کی تھی۔

انیس کو شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ علم و فضل اور شاعرانہ کمال کے لیے انیس کا خاندان صدیوں سے ممتاز و مشہور تھا۔ چنانچہ انیس کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلّی ہی نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت بھی ہے کہ ۔

عمر گزری ہے اس دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

ہمارے ادب میں یہ کہاوت عام تھی کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں۔" مگر میر انیس نے اپنے علمی کمالات اور تخیّل فلک پیما سے اردو مرثیہ کو ثریا کی رفعت و بلندی عطا کر کے اسے ایک اعلیٰ صنف ادب بنا دیا۔

انیس کی زبان نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ صرف انیس ہی نہیں، بلکہ ان کے خاندان کی زبان لکھنؤ کی سند کی حیثیت رکھتی تھی۔ چنانچہ شیخ امام بخش ناسخ کا قول ہے کہ "اگر زبان سیکھنا ہے تو خلیق کے گھرانے سے سیکھو۔" غرض انیس کو زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ ان کے مرثیوں میں لطف زبان اور حسن بیان کے علاوہ اعلیٰ مصوری، منظر کشی، واقعہ نگاری کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم ان میں ڈرامائی کیفیت اور رزمیہ صفت بھی پاتے ہیں۔

انیس نے مراثی کے علاوہ غزلیں اور رباعیات بھی لکھی ہیں۔ مرثیہ کی طرح انیس نے رباعی کی صنف کو بھی بہت ترقی دی۔ انیس نے ڈھائی لاکھ شعر کہے ہیں۔

مرزا سلامت علی دبیر

مرزا سلامت علی نام تھا اور دبیر تخلص۔ والد کا نام مرزا غلام حسین تھا۔ ۱۸۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ مگر بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے۔ یہیں تحصیل علم کی اور مروجہ علوم میں فاضلانہ کمال حاصل کیا۔

دبیر شاعری میں مظفر حسین ضمیر کے شاگرد اور میر انیس کے ہمعصر تھے۔ اپنے

روشن ضمیر استاد کی عطا کردہ روشنی میں دبیر نے مرثیہ اور اس کے فن کو چار چاند لگا دیئے۔ نہایت پرگو شاعر تھے۔ بلند پروازی اور مضمون آفرینی مرزا دبیر کے حصے میں آئی تھی۔ تشبیہات و استعارات کے بادشاہ تھے۔ جس وقت میر انیس فیض آباد لکھنؤ آئے اس وقت سارے شہر میں مرزا دبیر کی طوطی بولتی تھی۔ اس وقت تک مرثیہ نگاری میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ لیکن انیس کے لکھنؤ آجانے اور آسمان شہرت پر آفتاب تازہ بن کر نکلنے کے بعد ان کا ایک حریف کامل پیدا ہو گیا۔

مرزا دبیر نے تقریباً تین ہزار مرثیے کہے ہیں۔ رباعی، سلام اور نوحے ان کے علاوہ ہیں۔ شوکت الفاظ، تشبیہات و استعارات، زور کلام، جولانی طبع، دبیر کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔ دبیر پر لکھنؤ کا پورا پورا اثر ہے۔ اس کے برخلاف انیس صرف لکھنؤ کی خوبیوں سے اثرانداز ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دبیر کے کلام میں دبستان لکھنؤ کی خوبیاں اور خامیاں دونوں نمایاں ہیں۔ اس زمانہ کے لکھنوی مذاق کے مطابق دبیر کے یہاں رعایت لفظی اور مبالغہ کی کثرت ملتی ہے۔

مرزا دبیر نے ۱۸۷۵ء میں وفات پائی اور اپنے گھر میں دفن ہوئے۔

الطاف حسین حالی

شخصی مرثیے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ انفرادی مرثیے میں مرنے والے کی ذات سے شاعر اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اپنے جذبات کو شعر کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ ایسے مرثیوں کا اثر محدود طبقہ پر پڑ سکتا ہے جو مرنے والے سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔ اردو میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً۔ غالب کا وہ مرثیہ جو عارف کے مرنے پر لکھا گیا یا مومن کا وہ مرثیہ جسے اپنی محبوبہ کی موت پر قلم بند کیا تھا یا جاں نثار اختر کا وہ مرثیہ جسے انہوں نے اپنی بیوی صفیہ کی وفات پر قلمبند کیا تھا وغیرہ۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں ذاتی غم کا اظہار اجتماعی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً۔ حالی کا مرثیۂ غالب، چکبست کا مرثیہ گوکھلے، اقبال کا مرثیۂ داغ، مجاز کا مرثیۂ گاندھی وغیرہ۔ اس قسم کے مرثیے میں فرد کی موت انفرادی نہیں رہ جاتی بلکہ پورے معاشرے، پورے ملک یا شعر و ادب کو اپنے حلقہ میں سمیٹ لیتی ہے۔

حالی کا مرثیۂ غالبؔ، کسی فرد واحد کے رنج و غم کا اظہار نہیں ہے بلکہ اس میں ایک ہمہ گیری اور آفاقیت ہے۔ یہ مرثیہ ذاتی غم ہونے کے باوجود شعر و ادب کے ان محاسن کے ختم ہو جانے اور اس تہذیب کے مٹ جانے کا ماتم ہے جو غالبؔ سے وابستہ تھے۔ یہ مرثیہ حالی نے ترکیب بند کے فارم میں لکھی ہے اور جس انداز سے غالبؔ کی موت کا ماتم کیا ہے، اردو شاعری اس کا اب تک جواب نہ پیدا کر سکی۔ اس مرثیہ میں شروع سے آخر تک دل کو چھو جانے والا تاثر قائم رہتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ایک کے بعد ایک سین آنکھوں کے آگے آتے جا رہے ہیں۔ جذبات کا اتار چڑھاؤ اس قدر فطری اور موثر ہے کہ قاری کا ذہن اسے جذب کئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ عموماً جذبات میں بہہ کر مرثیہ گو مبالغہ آمیزی میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر حالی کا کمال یہ ہے کہ باوجود جذبات کی شدت کے کہیں مبالغے سے کام نہیں لیا۔ مرثیۂ غالبؔ کی بنیادی خصوصیات مجموعی حیثیت سے یہ ہیں۔ اس میں غالبؔ کی شخصیت کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ سادگی نے شعریت کو کہیں مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔ صداقت، مبالغہ سے دامن بچا کر نکل گئی ہے۔ استعارے اور تشبیہوں نے ایک طرف شعر میں حسن پیدا کر دیا ہے اور دوسری طرف ایک بڑے خیال کو چند فقروں میں سمو دیا ہے۔ الفاظ کے انتخاب نے اشعار میں موسیقی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس مرثیہ نے مستقبل کے شخصی مرثیوں کے لیے راہ ہموار کئے۔

OO

نظم

"نظم" کے لغوی معنی "موتی پرونا"، "آراستہ کرنا" وغیرہ ہیں۔ نظم کی دیگر تمام قسموں اور صنفوں کے علاوہ خود "نظم" بھی ایک صنف شاعری ہے، جو نظم کی مروجہ قسموں ہی پر لکھی جاتی ہے مگر اس میں اشعار یا بند کی کوئی قید روا نہیں رکھی جاتی۔ یہ "نظم" کسی خاص موضوع پر ہوتی ہے، خواہ وہ موضوع کچھ بھی ہو۔ نظم کا میدان غزل سے زیادہ وسیع ہے۔ نظم کسی ایک عنوان یا موضوع کی تفصیل ہوتی ہے۔ غزل کے جذبات لامحدود ہوتے ہوئے بھی محدود ہوتے ہیں اور ایک شعر میں کوئی ایک جذبہ ہی نظم کیا جا سکتا ہے۔ مگر نظم میں ایک موضوع کی اتنی وضاحت ہوتی ہے کہ شاعر اور سامع دونوں سیر ہو جاتے ہیں اور موضوع بھی تشنہ نہیں رہتا۔

"نظم" اہتمام و انصرام، ترتیب و تنظیم اور ربط و تسلسل کی مقتضی ہوتی ہے۔ انسانی حیات میں بھی ایک تسلسل ہوتا ہے، گہرا، مربوط اور مضبوط۔ صد چنگ مگر ہم آہنگ۔ جس میں بلندیاں بھی ہوتی ہیں اور پستیاں بھی۔ ایک بہتا ہوا سیال اور مواج دریا، جس میں طغیانی بھی آتی ہے اور تلاطم بھی ہوتا ہے۔ انسان کی ہر سانس اہم اور قیمتی ہوتی ہے مگر یہ نفس جب مسلسل چلنے لگتا ہے تو حیات کسی حد تک معتبر اور اہم ہو جاتی ہے۔ بے یقینی میں بھی ایک یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ نظم بھی اسی طرح کا تسلسل، نظم اور ضبط چاہتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ عمدہ اور کامیاب نظمیں دل و دماغ کو آسودگی، فرحت بخش، اطمینان اور ایک انبساط انگیز کیف عطا کرتی ہیں۔ غزل کا مفرد شعر اپنے آپ میں ہزار جامع و مانع سہی، مگر بادلوں کے ہجوم میں ایک تڑپتی ہوئی بجلی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کی زندگی شرارہ کی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں نظم کو ہم شعلہ کہہ سکتے ہیں۔ غزل کے اشعار اگر شبنم کے حسین قطرات ہیں تو نظم زمین کو سیراب اور دل دہقاں کو شاداں و فرحاں کر دینے والی موسلادھار بارش ہے۔ یہ محض بلبل کا نالہ نہیں، بلکہ گل و بلبل کی محبت بھری داستان ہے، جس میں کلیوں کی کسک بھی ہے اور پھولوں کی مہک بھی۔ پپیہے کی ہوک بھری تلاش بھی اور کوکل کی کوک بھی۔ بھونرے کی ہوس اور لالہ کا پرخلوص دل داغدار بھی۔ باغبان کی پدرانہ شفقت و محبت بھی اور

گلچیں کے دست جور میں بے شمار پھولوں کی معصوم روحیں بھی۔ نظم کے تمام اشعار موضوع سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔اس کے اندر تدریجی ارتقاپائی جاتی ہے۔اور آہستہ آہستہ شاعر کے تجربات و تصورات کی انسانی حیات کی طرح نشو و نما ہوتی رہتی ہے۔ لیکن تمام خیالات و تصورات، جذبات واحساسات کا ہم آہنگ ہونا ایک کامیاب نظم کے لیے ضروری ہے۔ نظم کی ابتدا بچوں کی معصوم اور پیاری صورت کی طرح نہایت دلکش اور حسین ہوتی ہے،اس کا عروج اپنے اندر شباب کا جوش و خروش رکھتا ہے اور انجام واختتام کی حسن کاری بھی قابل توجہ اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔اور پھر سارے عشوے، ساری ادائیں، سارے جلوے ایک حسن کا تصور پیش کرتے ہیں۔ کثرت میں یہی وحدت نظم کو کامیاب بناتی ہے۔

اردو شاعری کے اندر اگرچہ نظیر اکبر آبادی نے نظم نگاری کی ابتدا کی تھی مگر صحیح معنوں میں اس کی ترقی آزاد، حالی، اسمٰعیل اور درگا سہائے سرور کے ہاتھوں ہوئی۔اور اسے اوج کمال تک اقبال نے پہنچایا۔ اکبر نے طنز وظرافت کی رنگا رنگی سے اردو نظم نگاری کو گلہائے رنگارنگ کا ایک حسین گلدستہ بنادیا۔ غرض بیسویں صدی کے آغاز ہی میں جدید نظم نگاری نے کافی ترقی کرلی۔اس زمانے کے چند ممتاز شعرا درگا سہائے سرور، پنڈت برج نرائن چکبست، شوق قدوائی، نظم طباطبائی، ظفر علی خاں، تلوک چند محروم، جوالا پرشاد برق، صفی لکھنوی، علامہ اقبال، عظمت اللہ خاں، سیماب اکبر آبادی، جوش، حفیظ جالندھری، احسان بن دانش، وغیرہ ہیں۔

دور جدید کے مشہور نظم نگاروں میں فراق، ساغر نظامی، مجاز، اختر شیرانی، علی سردار جعفری، اختر الایمان، کیفی اعظمی، میراجی، ن۔م۔راشد، فیض احمد فیض، سلام مچھلی شہری، وامق جونپوری وغیرہ ہیں۔اس دور کے بعض شعرا نے موضوع کے علاوہ نظم کی ہیئت میں بھی انقلاب پیدا کرنے کی کوششیں کی۔ نظم معرّیٰ اور آزاد نظم بھی کثرت سے لکھی گئی۔ دور حاضر میں خلیل الرحمٰن اعظمی، وزیر آغا، مظہر امام، بلراج کومل، شہریار، ندا فاضلی، شمس الرحمٰن فاروقی وغیرہ نے نظم نگاری کو ایک نئی جہت دی ہے۔

نظیر اکبر آبادی

ولی محمد نام اور نظیر تخلص۔ والد کا نام محمد فاروق تھا جو آگرہ کے رہنے والے تھے اور عظیم آباد، پٹنہ کے کسی نواب کے یہاں ملازمت کرتے تھے۔اسی رعایت سے بعضوں نے

نظیر کی جائے پیدائش عظیم آباد بھی لکھا ہے۔ لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ نظیر اپنی نانیہال، دہلی میں محمد شاہ کے دور میں ۱۷۳۰ء اور ۱۷۳۵ء کے درمیان پیدا ہوئے۔ ان کی صحیح تاریخ پیدائش اب تک معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۴۸ء سے ۱۷۵۶ء تک دلی پر تین حملے کیے۔ اسی پر آشوب، صبر آزما، حوصلہ شکن اور وحشت خیز انقلابی دور میں نظیر دلی سے آگرہ چلے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس لیے وہ اکبر آبادی کہے جاتے ہیں۔ نظیر نے ایک طویل عمر پاکر ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا۔

نظیر طبعاً نہایت خلیق، منکسر المزاج، قناعت پسند، نرم دل، بسیار آمیز، خوش دل و خنداں جبیں انسان تھے۔ لالہ بلاس رام کے یہاں سترہ روپئے ماہوار پر ایک عرصہ دراز تک معلمی کرتے رہے۔

اردو شاعری کے اندر جدید موضوعاتی، منظری اور اخلاقی نظم نگاری کے نظیر ہی بانی ہیں۔ نظیر کی نظموں کے معیار کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے، مگر آج اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ غزل سرائی اور قصیدہ خوانی کے دور میں نظیر نے نظم نگاری کو رواج دے کر اپنی آزاد خیالی، جدت پسندی اور اجتہاد کا زبردست ثبوت دیا ہے۔ اور یہی ان کا انمول کارنامہ ہے۔

نظیر کی شاعری میں جوانی کی رنگینی اور ہنگامہ خیزی بھی پائی جاتی ہے اور پیرانہ سالی کی ہوشمندی، دانشوری اور عاقبت اندیشی بھی۔ گویا رندی و شاہد بازی بھی ہمیں ان کے کلام کے اندر ملتی ہے۔ اور حکیمانہ اور صوفیانہ بصیرت و بصارت بھی۔ نظیر اپنی زبان و مضامین کے لحاظ سے خالص ہندوستانی شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں عوام کے جذبات و خیالات، ان کے عادات و اطوار اور رسوم و تہوار کی بڑی کامیاب ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کا کلام نہایت سہل اور عام فہم ہے۔ تخیل کی کار فرمائی کی جگہ ان کے کلام میں مشاہدات کے حسین وسادہ جلوے ملتے ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی

خواجہ الطاف حسین نام حالی تخلص۔ ۱۸۳۷ء میں بمقام پانی پت ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں ادبی خدمات اور علم و فضل کے اعتراف اور صلے میں انگریزی حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عطا کیا۔

پانی پت میں تقریباً آٹھ سو سال سے قوم انصار کی ایک شاخ آباد ہے۔ حالی کا اسی قوم سے تعلق تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عبداللہ انصاری سے ملتا ہے۔ جب آپ نو برس کے تھے تو آپ کے والد خواجہ ایزد بخش کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ آپ اپنے بہن بھائیوں کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت پانے لگے۔ اول آپ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ اس کے بعد ایک بزرگ سید جعفر علی اور حاجی ابراہیم حسین انصاری سے فارسی اور عربی علوم کی تحصیل کی۔ ابھی آپ کی تعلیم مکمل بھی ہونے نہ پائی تھی کہ سترہ سال کی عمر میں آپ کی شادی کر دی گئی۔ خاندان والوں کی خواہش تھی کہ یہ نوکری تلاش کریں لیکن خود انہیں حصول علم کا شوق تھا۔ چنانچہ اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر آپ گھر والوں سے روپوش ہو کر دہلی چلے آئے۔

قیام دہلی کے دوران میں آپ کو مرزا غالب کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ شعر و شاعری کے فطری ذوق کی جلا ہوئی۔ غالب کی شخصیت نے ان کی آتش شوق کو بھڑکایا اور وہ شعر کہنے لگے۔ پھر غدر کے بعد نواب مصطفٰے خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کی صحبت میں مسلسل آٹھ برس تک رہے۔ نواب موصوف فارسی اور اردو کے مشہور شاعر تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی صحبت اور محبت نے ایک دوسرے پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا۔ نواب شیفتہ کی وفات کے بعد مولانا حالی پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ترجمہ کے کام پر مامور ہو گئے۔ وہیں شمس العلماء سید محمد حسین آزاد سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان کے دل میں بھی اردو زبان و ادب کی اصلاح و ترقی کا خیال پیدا ہوا۔ آزاد نے لاہور میں نئے طرز مشاعرہ کی بنیاد ڈالی۔ حالی بھی اس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مولانا کی چار مثنویاں برسات، امید، رحم و انصاف اور حب وطن اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔

پھر چار سال بعد دہلی چلے آئے۔ اور اینگلو عربک اسکول میں مدرس مقرر ہوئے۔ سرسید سے ملاقات ہوئی اور انہی کے ایماء پر آپ نے مشہور و معروف مسدس "مدوجزر اسلام" تصنیف کی۔ مولانا کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ان کے وطن پانی پت میں ہوا۔

مولانا حالی صرف ایک کامیاب شاعر ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ نثار بھی تھے۔ غالب اور سرسید کی طرز تحریر کو صحیح طور پر رائج کرنے اور مقبول عام و خاص بنانے کا سہرا حالی ہی کے سر ہے۔ حالی نے اس طرز خاص کو زیادہ صاف اور پاکیزہ بنا کر قابل تقلید بنا دیا۔ آپ کی تحریر میں آورد، تصنع اور بناوٹ کا نام و نشان نہیں۔ برجستگی، بے ریائی، سادگی، خلوص اور

بے تکلفی آپ کے طرز کی خصوصیات ہیں۔

نثر میں مولانا کی حیات سعدی، یادگار غالب، حیات جاوید، اور مقدمہ شعر و شاعری زندہ جاوید تصانیف ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے مضامین کا مجموعہ مقالات حالی کے نام سے مشہور ہے۔ مکتوبات حالی بھی دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

اکبر حسین اکبر الہ آبادی

سید اکبر حسین نام اور اکبر تخلص تھا۔ یہ ۱۶ر نومبر ۱۸۴۶ء کو بمقام باڑہ، ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ یہاں اکبر کے چچا سید وارث علی تحصیلدار تھے۔ اکبر کا سلسلۂ نسب حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملتا ہے۔ اکبر کے دادا سید فضل محمد بڑے اہل علم بزرگ تھے۔ نواب آصف الدولہ نے انہیں مجتہد العصر کا خطاب عطا کیا تھا۔ اکبر کے والد سید تفضل حسین رضوی ابوالعلائی بھی ایک عالم باعمل، صوفی منش اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ اکبر کی ابتدائی تعلیم مروجہ مشرقی طریقے پر گھر ہی میں ہوئی۔ علم و فضل میں کمال رکھنے والے باپ نے خود ہی بیٹے کو پڑھنا لکھنا سکھایا اور علم و عرفان کا وہ بیج بویا جس نے اکبر اور ان کی شاعری کے آخری حصہ کو گنجینۂ عرفانیات بنا دیا۔

اکبر بچپن ہی سے نہایت ذہین تھے۔ چنانچہ اپنی ذہانت کی وجہ سے یہ ہمیشہ اپنے درجوں میں ممتاز رہے اور ۱۸۶۶ء میں وکالت کا امتحان اول درجے میں پاس کیا۔ کچھ دنوں کے بعد نائب تحصیلدار ہو گئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ ترقی کر کے ضلع سیشن جج کے اعلیٰ عہدہ تک پہنچ گئے۔ ۱۸۱۸ء میں "خان بہادر" کا خطاب ملا۔ اپنی زندگی کی تمام منزلوں کو کامیابی سے طے کرنے کے بعد ۹ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

اکبر کی شہرت اور مقبولیت ان کے اعلیٰ منصب اور سرکاری ملازمت کے سبب نہیں ہوئی بلکہ ان کی شاعری کے سبب ہوئی۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی "اکبر کے نام کو تالیوں نے اچھالا اور قہقہوں نے بلند کیا۔" ان کی شوخ مزاجی اور ظریفانہ طبیعت نے اردو شاعری کی دنیا میں وہ گل بوٹے کھلائے جو سدا بہار اور خزاں ناآشنا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرز خاص کے اکبر خود ہی موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ کیونکہ آج تک باوجود کوششوں کے کوئی بھی ان کی کامیاب پیروی نہ کرسکا۔ اکبر نے اپنی شاعری سے قوم وملک کی اصلاح کا کام

بھی لیا ہے۔ ظریفانہ کلام کے علاوہ اکبر کے کلیات میں سنجیدہ مضامین وخیالات سے مملو اشعار بھی ملتے ہیں۔ غزلیں اور رباعیات بھی۔ جن میں تغزل کا رنگ بھی ہے اور اخلاق و معرفت کے باریک نکتے بھی۔

سرور جہاں آبادی

درگا سہائے، سرور جہاں آبادی، پیلی بھیت کے رہنے والے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ ان کے والد منشی پیارے لال کائستھ خاندان سے تھے اور طبیب تھے۔ گھر میں فارسی اور اردو کا ماحول تھا۔ بچپن سے ہی شعر و سخن کی طرف مائل ہوگئے۔ ادیب اور مخزن میں ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ عین جوانی میں بیوی کا انتقال ہو گیا۔ ایک سال کا اکلوتا بیٹا تھا وہ بھی داغ مفارقت دے گیا۔ ان صدمات کا ان کے دل و دماغ پر گہرا اثر ہوا۔ شراب کی لت پڑ گئی اور بالآخر ۳۷ سال کی عمر میں ۱۹۱۰ء میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ سرور نے گرچہ غزلیں بھی کہی ہیں، لیکن نظم گوئی میں نام پیدا کیا۔ سچے وطن پرست تھے، وطنی اور قومی موضوعات پر خوب لکھا ہے۔ طبیعت میں وارفتگی تھی اس لیے جس موضوع پر لکھتے ڈوب کر لکھتے تھے۔ ان کے یہاں ہندوستان کی مٹی اور ماحول کا گہرا احساس ہے۔ ان کی شعری فضا میں گنگا، جمنا، کوئل، بھونرا، پدمنی، ہنس وغیرہ عناصر سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ وطن کو ماں تصور کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ہندوستان کی بوباس اور وطن کی محبت ملتی ہے۔ ان کے کلام میں غم کا احساس بھی نمایاں ہے اور دردمندی بھی ہے انہوں نے حسن فطرت پر موثر نظمیں لکھی ہیں۔

"جام سرور" اور "خم خانہ سرور" ان کے دو شعری مجموعے ہیں۔

پنڈت برج نرائن چکبست

چکبست کا تعلق کشمیری برہمنوں کے اس ممتاز خاندان سے ہے جو لکھنؤ میں عرصہ دراز سے آباد تھا۔ لیکن چکبست فیض آباد میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اس زمانے میں ملازمت کے سلسلے میں وہیں مقیم تھے۔

چکبست نے تعلیم و تربیت لکھنؤ میں حاصل کی۔ کیننگ کالج سے ۱۹۰۵ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۰۸ء میں قانون کا امتحان پاس کر کے لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ اور بہت جلد

اس پیشہ میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے ممتاز وکیلوں کی جماعت میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔

۱۲؍فروری ۱۹۲۶ء کو ایک مقدمہ کے سلسلے میں رائے بریلی گئے۔ جب واپس ہونے لگے تو اسٹیشن ہی پر یک بیک فالج کے مہلک مرض نے حملہ کیا۔ زبان بند ہوگئی اور چند گھنٹوں میں وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔

شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ افضل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ لیکن آتش، غالب اور انیس کے کلام کے دلدادہ تھے اور ان کے کلام کا مطالعہ ان کی روحانی غذا تھی۔ انہی استادانِ فن کا اثر چکبست کے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

چکبست کی شاعری میں محض گل و بلبل اور حسن و عشق کی جھوٹی اور پر تصنع داستان نہیں بلکہ ملک و قوم کے دکھ درد کی ترجمان اور شاعر کے سچے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ وہ اپنے کلام کے ذریعہ اپنے ہم قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چکبست نے غزلیں بھی کہی ہیں، قومی اور منظری نظمیں بھی لکھی ہیں اور مرثیے بھی کہے ہیں۔ شاعری کے علاوہ اعلیٰ درجہ کی نثر نگاری بھی کی ہے۔ قدرت نے چکبست کو شاعر کا دل، محقق کی نظر اور مصور کا قلم عطا کیا تھا۔ اسی لیے وہ اپنی شاعری اور نثر نگاری دونوں میں یکساں طور پر کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی نظموں کا مجموعہ "صبح امید" اور مضامین کا مجموعہ "مضامین چکبست" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ چکبست کی زندگی نے وفا نہ کی، ورنہ وہ اردو ادب کو بہت کچھ دے جاتے۔ پھر بھی ان کے پیش کردہ ادبی کارنامے اردو زبان و ادب کے لیے ایک متاعِ عزیز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چکبست نے اپنی شاعری کو ہندوستان کی جنگ آزادی میں ایک حربہ کی طرح کام میں لایا ہے۔ اور سیاسی تحریکات کو اپنی شاعری میں جگہ دے کر ملک و قوم کی زبردست خدمت کی ہے۔

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

ہندوستان ایک مردہ پرست ملک ہے۔ یہاں کے لوگ "قدر مردم بعد مردن" کے قائل ہیں، اسی لیے کسی زندہ ہستی کی حقیقی عظمت کا اعتراف کرنا نہیں جانتے۔ اردو کے اکثر شعرا کو اس بات کی شکایت رہی کہ زمانہ نے ان کی قدر نہ کی۔ میر اس کے شاکی رہے، غالب اس کا گلہ کرتے رہے۔ لیکن اقبال ہی کا یہ اقبال تھا کہ ان کی شہرت اور مقبولیت کا

آفتاب خوداں کی حیات میں نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔

اقبال ۱۸۷۷ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ اقبال کا خاندانی تعلق کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تھا۔ لیکن ایک مسلمان ولی کی تبلیغ سے یہ خاندان مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اقبال کے والد نور محمد صاحب ایک نہایت دیندار، درویش صفت اور صوفی طبیعت بزرگ تھے۔ اور ان کی والدہ بھی ایک خدا ترس، عبادت گزار زاہدہ تھیں۔ اقبال کی دیندار ذہنیت دراصل ان کے والدین کے زہد و اتقا کی مرہون منت ہے۔

اقبال بچپن ہی سے نہایت ذہین، طباع اور ذکی و فہیم تھے۔ چنانچہ تعلیمی مراحل انہوں نے بہت جلد نہایت شاندار کامیابی کے ساتھ طے کر لیے۔ اور مشرقی و مغربی، قدیم و جدید تمام علوم کے عالم متبحر ہو گئے۔ عربی، فارسی، اردو، سنسکرت اور انگریزی زبان و ادب میں عالمانہ تبحر حاصل کر لیا۔ فلسفۂ عالم کا گہرا مطالعہ کیا، دنیا کے تمام مذاہب و ادیان پر نظر غائر ڈالی۔ اور اس طرح مجموعۂ فضل و کمال بن کر ادب کی دنیا میں قدم رکھا۔ اور پھر شعر و شاعری کی دنیا میں افکار و معانی کے وہ دریا بہائے جس کی نظیر صرف اردو ادب میں نہیں بلکہ ادبِ عالم میں بھی مشکل سے ملے گی۔ اردو غزل کے دامن کو وسیع کیا اور نظموں کو ایک نیا رنگ اور آہنگ دیا۔

فلسفہ میں ایم۔اے کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک اورینٹل کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج میں فلسفہ کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے انگلستان گئے۔ وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور کیمرج اور جرمنی کی میونگ یونیورسٹی سے دو مختلف مضامین لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انگلستان میں "اسلام" پر چھ لکچر دیئے۔ لندن یونیورسٹی میں چھ مہینے تک عربی کے پروفیسر بھی رہے۔ اور اس طرح بہت سی ڈگریاں، علمی اعزاز اور شہرت حاصل کر کے جولائی ۱۹۰۸ء میں لاہور واپس آئے۔

شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ کچھ دنوں تک خط و کتابت کے ذریعہ داغ دہلوی سے کلام کی اصلاح کراتے رہے۔ لیکن شاگردی کا یہ سلسلہ خود استاد نے یہ لکھ کر منقطع کر دیا کہ "کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے۔"

اپنی تمام خوبیوں اور خصوصیات کے ساتھ رفتہ رفتہ اقبال کا حیات بخش کلام اس قدر مقبول خاص و عام ہوا کہ دور حاضر میں کسی شاعر کو یہ فخر حاصل نہیں ہو سکا۔ ان کا کلام

صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ایران، افغانستان و نیز دیگر بلادِ اسلامیہ کے علاوہ انگلستان اور امریکہ میں بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

یوں تو اقبال کی شاعری کی بے شمار خوبیاں اور خصوصیات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے جس کی طرف انہوں نے خود اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ۔

خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

اقبال کے لہو کی گرمی، اس کی جدت اور حرارت اس کے ہر شعر سے محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کی ہر بات براہ راست دل پر اثر کرتی ہے۔

۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو اردو کا یہ عظیم ترین شاعر اور ملت کا ایک درخشاں و تاباں ستارہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، ارمغان حجاز، اسرار خودی، رموز بیخودی، زبور عجم، جاوید نامہ وغیرہ ان کے اردو اور فارسی کلام کے مشہور مجموعے ہیں۔

جوشؔ ملیح آبادی

شبیر حسن خاں نام اور جوشؔ تخلص ہے۔ لکھنؤ کے ایک مشہور اور علمی مذاق رکھنے والے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۹۸ء میں ملیح آباد ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ جوشؔ اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ شاعری انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ جوشؔ کو بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ خداداد ذہانت اور فطری شاعرانہ صلاحیت نے ان کی صحیح رہبری کی اور بہت جلد اردو کے نامور شعراء میں ان کا شمار ہونے لگا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۴ء تک ایک ادبی نقاد کی حیثیت سے کام کیا۔ وہاں سے دہلی آکر ایک رسالہ "کلیم" جاری کیا، پھر ایک مدت تک رسالہ "آجکل" دہلی، کی ادارت کرتے رہے۔

تخلص کی مناسبت سے کلام میں کافی جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی انقلابات میں جوشؔ اور ان کی شاعری نے ہمیشہ نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور اپنے کلام کی گرمی سے ہندوستانیوں کے قلب کو گرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شاعر انقلاب کے نام سے مشہور ہوئے۔

جوش کی غزلیں بھی کامیاب ہیں اور نظمیں بھی۔ رباعیات بھی اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ ان کی طبیعت میں بلا کا زور پایا جاتا ہے۔ نئی نئی تشبیہیں اختراع کرتے ہیں اور نئے اور اچھوتے قوافی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ ان کے مضامین اور اسلوب دونوں میں تنوع پایا جاتا ہے۔ جوش و امنگ، ولولہ و ترنگ، رنگینی اور رنگارنگی، آزاد خیالی اور حریت پسندی، مستی و سرشاری ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں انتقال کیا۔

نقش و نگار، شعلہ و شبنم، حرف و حکایت، سیف و سبو، جنون و حکمت، فکر و نشاط، آیات و نغمات، عرش و فرش، سنبل و سلاسل، روح ادب، وغیرہ جوش کے کلام کے مجموعے ہیں۔

فیض احمد فیض

فیض اردو کے ان روشن خیال اور جدت پسند شاعروں میں ہیں جنہوں نے فکر و فن دونوں میں نئی راہیں نکالی ہیں۔ صناعی اور کاریگری، تصنع اور تکلف سے فیض کام نہیں لیتے اپنے جذبات و محسوسات کو سیدھے سادے الفاظ میں ایسے حسین پیرایہ میں بیان کر دیتے ہیں کہ ان میں ایک خاص دلکشی، تاثیر اور معنویت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی فیض کی شاعری کی خصوصیت اور ان کا زبردست کارنامہ ہے۔

فیض نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی۔ لیکن بہت جلد نظم نگاری کی طرف مائل ہو گئے اور اس کے اندر اپنا ایک مقام بنالیا۔ ان کی نظمیں عموماً مختصر مگر نہایت معنی خیز ہوتی ہیں۔ بقول ن۔م۔ راشد "فیض کسی مرکزی نظریے کا شاعر نہیں، صرف احساسات کا شاعر ہے اور اپنے شدید احساسات کو وہ اپنے حسین الفاظ کے ساتھ اسی طرح پیوست کرتا ہے کہ وہ ایک ہی پیرہن کے تار و پود معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

نظم کے فنی تقاضوں کا احساس اور خود ضبطی ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ انہوں نے نعروں سے پرہیز کیا ہے اور اپنے جذبات کا اظہار دھیمی اور دبی دبی زبان میں کرتے ہیں۔ ان کے یہاں افکار و جذبات میں ایک قسم کا ضبط نمایاں ہے۔ تفصیل کے بجائے اختصار ہے۔ لفظوں کی تکرار اور خطابت کی تکنیک سے کام لیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں امیجری کی دو سطحیں ہیں ایک براہ راست دوسرا پیچیدہ۔ ان کی شاعری رومان اور انقلاب سے عبارت ہے۔ ان کے یہاں جدید طرز کے خیالات و نظریات ملتے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کے یہاں ترقی

پسندی، بین الاقوامیت، محنت کش طبقہ کی ترجمانی، محکومی، مظلوی کے خلاف احتجاج ملتا ہے۔

ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں "نقش فریادی"، "دست صبا"، "زندہ نامہ"، "دست تہہ سنگ"، "سر وادیٔ سینا"، "شام شہریاراں"، "میرے دل میرے مسافر" ہیں، کلیات "نسخہ ہائے وفا" کے نام سے ان کا کلیات بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کی پیدائش ۱۳ر فروری ۱۹۱۱ء کو اور وفات ۲۰ر نومبر ۱۹۸۴ء کو ہوئی۔

مخدوم محی الدین

مخدوم محی الدین کا شمار صف اول کے ترقی پسند شعراء میں ہوتا ہے۔ آزاد نظم کے فروغ اور اسے مقبولیت عطا کرنے والوں میں ان کا ذکر ناگزیر ہے۔ مخدوم کی پیدائش میدک میں ۳ر فروری ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ ۱۹۳۷ء میں انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا۔ ۱۹۳۹ء میں گاندھی جی کے ستیہ گرہ پر نظم "مسافر" لکھی اور اسی سال سٹی کالج میں اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں ملازمت سے استعفا دے دیا اور کمیونسٹ پارٹی کے ہمہ وقتی کارکن بن گئے۔ ۱۹۴۴ء میں ان کے کلام کا پہلا مجموعہ "سرخ سویرا" کے نام سے شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ "گل تر" بھی اس کے بعد حیدر آباد سے شائع ہوا۔ مخدوم کا کلیات "بساط رقص" کے نام سے حیدر آباد سے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ کئی بار جیل گئے۔ ۱۹۵۶ء میں آندھرا لجسلیٹو کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ ۲۵ر اگست ۱۹۶۹ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ ساہتیہ اکادمی نے "بساط رقص" پر پس از مرگ ایوارڈ دیا۔

مخدوم بنیادی طور پر سیاسی آدمی تھے۔ ان کی نظمیں سیاسی جلسوں میں گائی جاتی تھیں۔ ان کی شاعری میں رومان اور انقلاب کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ انہوں نے کم لکھا لیکن جتنا لکھا اچھا لکھا۔ ان کی شاعری سے نرم اور گرم دونوں طرح کی آواز بیک وقت اٹھتی ہے۔ ان کی شاعری میں للکار بھی ہے اور محبوب کے قدموں کی چاپ بھی، ملبوس عروسی بھی ہے اور مزدوروں کا کفن بھی۔ اس لیے ان کی بعض نظمیں شاعری کے اعلیٰ ترین تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ ان کی شاعری رمزیت و ایمائیت، وارفتگی اور لطف و تاثیر کے اعتبار سے بے مثل ہیں۔ ان کی نظموں میں تغزل، والہانہ پن اور وارفتگی کی ایسی کیفیت ہے جو دل پر اثر کرتی ہے۔ ان کی بہت سی نظمیں مشہور ہیں مثلاً چاند تاروں کا بن، اندھیرا وغیرہ۔

اختر الایمان

اختر الایمان ترقی پسند شاعر ہیں۔ ن۔م۔راشد اور میراجی کے بعد جن شعرا نے اردو نظم کو بحیثیت ایک صنف کے استحکام بخشا اور اس کے ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کیا، ان میں اختر الایمان کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اختر الایمان، قلعہ نجیب آباد، ضلع بجنور میں ۱۲ر نومبر 1915ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ مدت تک وہ دلی میں زیر تعلیم رہے، اور دہلی یونیورسٹی سے بی۔اے کیا۔ شروع میں محکمہ سول سپلائی میں کام کیا، کچھ مدت تک آل انڈیا ریڈیو میں رہے۔ اس کے بعد بمبئی چلے گئے جہاں وہ فلموں کے لیے لکھتے رہے۔ ان کے بہت سے مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ مثلاً۔ گرداب (۱۹۴۳ء)، تاریک سیارہ (۱۹۴۶ء)، آب جو (۱۹۵۹ء)، بنت لمحات (۱۹۶۹ء)، نیا آہنگ (۱۹۷۷ء) وغیرہ۔ ان کا کلیات "سروساماں" کے نام سے ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آیا۔ ان کے چوتھے مجموعے "یادیں" (۱۹۶۱ء) پر ۱۹۶۲ء میں ساہتیہ اکادمی نے ایوارڈ دیا۔

ان کی نظموں میں فلسفیانہ تجسس کی کیفیت نظر آتی ہے۔ ان کا انداز فکر اور طرز بیان راشد اور میراجی دونوں سے مختلف ہے۔ نظم نگاری میں انہوں نے سب سے الگ راہ بنائی ہے جس میں انفرادیت نظر آتی ہے۔ نیکی اور بدی کی کشمکش، وقت کا ناگزیر ہونا، خواب اور حقیقت کا تصادم اور انسانی رشتوں کی دھوپ چھاؤں اور نشیب و فراز ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ ان کا انداز رمزیہ ہے لیکن ان کی علامتیں اور استعارے پیچیدہ نہیں ہیں۔ عام فہم زبان کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ان کے یہاں خود کلامی اور مکالمے کی کیفیت ملتی ہے۔ ترقی پسند شاعر ہونے کے باوجود ان کے یہاں اس کی پختہ پیروی نظر نہیں آتی۔ انہوں نے موضوعات کے داخل اور خارج کو ٹٹولنے اور اسے اندر کی کائنات سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی ہے۔ ان کی شاعری اداس رومانی انداز کی ہے۔ خزاں، زرد پتے، خشک شجر، ڈھلتی شام ان کے شعری استعارے ہیں۔ ایک لڑکا، پگ ڈنڈی، عہد وفا، تبدیلی ان کی مشہور نظمیں ہیں ان کی وفات ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔

○○

داستان

داستان عام طور پر اس طویل اور مسلسل قصے کو کہتے ہیں جس میں واقعات کو پرکشش انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ پڑھنے والے کی دلچسپی اور تجسس برقرار رہے۔ داستان میں عام واقعات کے علاوہ مافوق الفطرت واقعات، حیرت انگیز کارنامے اور ایسے حادثات جو انسانی فطرت سے بعید ہوں بیان کئے جاتے ہیں۔ حسن و عشق کی رنگین باتیں، شہزادوں، پریوں کی ملاقاتیں، عشق کی باتوں میں چھوٹی بڑی وارداتیں، پیچیدگیاں، الجھنیں، حیرت واستعجاب کے طویل سلسلے زبان و بیان کی دل کشی اور لطافت داستان کے لازمی اجزاء ہیں۔ عام طور پر داستانوں میں قصوں کے کئی سلسلے ہوتے ہیں یعنی ایک قصے کے اندر دوسرے کئی قصے بیان کئے جاتے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے داستانیں عہد وسطیٰ کی یادگار ہیں۔ یہ ایسے دور میں رواج پاتی ہیں جو عموماً سیاسی اور تہذیبی اعتبار سے زوال کا زمانہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ ایسے زمانے میں انسان زندگی کی ہماہمی، مستقل جدوجہد، ناکامیوں، نامرادیوں سے تنگ آکر ایسے گوشۂ عافیت کی تلاش کرتا ہے جو اس کی روح کو تسکین دے سکے۔ قدیم زمانے میں داستان گو شاہی درباروں سے وابستہ ہوا کرتے تھے۔ وہ داستانیں سنا کر بادشاہوں کا دل بہلاتے تھے۔ داستان سنانے اور سننے کا رواج عوام میں بھی تھا۔ اردو کی داستانوں کی ابتداء ان منظوم قصوں سے ہوتی ہے جو دکن میں لکھے گئے۔ یہ منظوم قصے حسن و عشق کی رنگینیوں، رزم اور بزم کی معرکہ آرائیوں، ہجر و وصال کی لذتوں اور مافوق الفطرت عناصر کی تحیر خیزیوں سے معمور ہیں۔ ان میں چند مشہور الف لیلیٰ، گلشن عشق، قطب مشتری وغیرہ ہیں۔

اردو زبان کی بہت سی داستانیں اپنی اصل کے اعتبار سے سنسکرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب یہ داستانیں ترجمے کے ذریعے عرب اور ایران پہنچیں تو ان کی مقبولیت بڑھی اور پھر اردو میں ترجمہ ہونے لگیں۔ بیتال پچیسی، کلیلہ و دمنہ، سنگھاسن بتیسی، طوطا کہانی اور گل بکاؤلی وغیرہ ایسی ہی داستانیں ہیں۔ کچھ داستانیں خالص عربی اور ایرانی ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ

ہندوستان آئیں مثلاً...... سب رس، الف لیلیٰ وغیرہ۔ ان کے علاوہ کچھ داستانیں ایسی بھی ہیں جو ہندوستان میں ہی فارسی زبان میں لکھی گئیں اور بعد میں اردو میں ترجمہ کے ذریعے آئیں۔ جن میں داستان امیر حمزہ، طلسم ہوش ربا اور قصہ چہار درویش مشہور ہیں۔ کچھ داستانیں صرف اردو میں لکھی گئیں ان میں فسانۂ آزاد اور فسانۂ عجائب مشہور ہیں۔

سب رس

سب رس ملا وجہی کی ایک نثری داستان ہے۔ اردو نثر کی داستانی تاریخ میں اب تک اسے اولیت حاصل ہے اس کی تصنیف سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں ہوئی۔ ملا وجہی اس کا ممتاز درباری شاعر تھا۔ قطب شاہ کی فرمائش پر وجہی نے یہ نثری داستان قلم بند کی۔ سب رس کا داستانی قصہ "حسن و دل" کے معاشقے کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اس قصے کو پہلی بار فارسی میں محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی (سیتاپوری) نے تحریر کیا تھا۔ جو مثنوی کی ہیئت میں تھا اور اس کا نام دستور عشاق تھا۔ سب رس منثور داستان عشق ہے۔ اس میں محیر العقول واقعات کو تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے تمام کردار تمثیلی مجسمے اور اوصاف کے بے جان پیکر ہیں۔ "عقل اور عشق" قصے کے دو بنیادی کردار ہیں عقل کا بیٹا دل اور عشق کی بیٹی حسن ہے۔ حسن و دل کے معاشقے نے اتنا طول کھینچا کہ دونوں طاقتور بادشاہوں یعنی عقل اور عشق کے درمیان جنگ کی نوبت آگئی۔ عقل شکست یاب اور عشق فتح مند ہوا۔ آخر میں دونوں بادشاہوں کے درمیان صلح و مفاہمت ہو گئی، اور حسن و دل کی شادی ہو گئی۔

اردو نثر کے داستانی قصوں میں سب رس ایک قدیم ترین تصنیف ہے۔ اس کی زبان ثقیل، ناہموار اور پیچیدہ ہے۔ فارسی، عربی کے ساتھ اس میں دکن کی مقامی بولیوں کے اثرات بھی واضح ہیں۔ انشاء اور فصاحت سب رس کے نثری اسلوب کی ایک اہم صفت ہے۔

باغ و بہار

باغ و بہار میر امن نے لکھی۔ یہ فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام لکھی گئی تصنیف ہے۔ چونکہ اس کالج کے قیام کا مقصد ہی ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان سیاسی،

تہذیبی اور معاشرتی مصالحت پیدا کرنا تھا اس لیے اس کی نثر میں سادگی سلاست روانی صفائے گفتگو اور عام بول چال کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اس داستان کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میر امن نے روایتی مقفیٰ مسجع بے کار اور فرسودہ منجمد نثر سے بغاوت کی، ایک نئی طرز تحریر اور انداز بیان پیدا کیا۔ یہ دہلی کی ٹھیٹھ اور ٹکسالی زبان، محاورے اور روزمرہ میں لکھی گئی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں نہ صرف شخصی تصویر کشی کی ہے بلکہ اس میں اس عہد کے پورے معاشرے کا نقشہ کھینچ دیا ہے، بالخصوص دہلی کے رسوم و رواج میلے ٹھیلے، تقریبات، عقائدوں کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا سرزمین دہلی کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔ یہی وہ نثر ہے جس کی روایتوں کو آگے چل کر سر سید نے آگے بڑھایا۔ حالانکہ اس نثر کی مخالفت بھی ہوئی اور اس کے جواب میں فسانۂ عجائب لکھی گئی۔ لیکن اس کا وہی حشر ہوا جو مسدس حالی کے جواب میں مسدس خیالی کا ہوا تھا...... باغ و بہار ۱۸۰۲ء میں مکمل ہوئی اور ۱۸۰۳ء میں شائع ہوئی۔

فسانۂ عجائب

رجب علی بیگ سرور کی مشہور تصنیف فسانۂ عجائب ہے۔ یہ ۱۸۳۱ء میں لکھی گئی۔ اس تصنیف کو لکھنوی انداز نثر کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ لکھنوی تہذیب کی زندہ تصویر فسانۂ عجائب میں ملتی ہے۔ زبان مشکل اور روایتی ہونے کے باوجود بہت رواں ہے۔ اس میں بنیادی قصہ جان عالم نامی ایک شہزادہ کا ہے جو انجمن آرا نامی ایک شہزادی کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے۔ کئی مشکلات سے گزرنے کے بعد اس کو کامیابی ہوتی ہے۔ قصہ کے اندر ضمنی قصے بھی ہیں لیکن کتاب کی دلچسپی قصے کی بنیاد پر نہیں بلکہ تحریر کی خوبی کی وجہ سے ہے۔ تقریباً پوری کتاب میں مقفیٰ و مسجع عبارت لکھی گئی ہے۔

فسانۂ عجائب باغ و بہار کے جواب میں لکھی گئی۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اسے داستان اور افسانے کی درمیانی کڑی شمار کیا گیا ہے۔ اور اس میں عصری میلانات اور جدید مغربی رومان کی کرنیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بقول عزیز احمد "مرزا رجب علی بیگ نے جو بیج بویا تھا۔ وہ پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ناولوں میں بار آور ہوا"......

ناول

ناول دراصل اطالوی زبان کا لفظ Novela سے مشتق ہے۔ جو انگریزی کے توسط سے اردو میں آیا۔ روزمرہ کے واقعات کو تسلسل اور ربط کے ساتھ اٹلی والے ناویلا (Novela) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ناول قصہ نگاری کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس میں انسان کی معاشرتی زندگی کی تصویر پیش کی جاتی ہے۔ واقعات، مشاہدات، تجربات وخیالات اور افکار و نظریات کی آمیزش اور ربط و ضبط سے یہ تصویر ناول کے پلاٹ میں اس طرح مرتب کی جاتی ہے کہ پڑھنے والے پر اس کا واضح نقش اتر جاتا ہے۔ ناول کا انحصار ایک یا ایک سے زیادہ کرداروں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ناول میں کچھ کردار بھی ہوتے ہیں۔ یہی کردار دراصل ناول کے قصے کو آگے بڑھاتے اور انجام تک پہنچاتے ہیں۔ ناول نگار اپنے عصری حالات اور داخلی زندگی کی تمام پیچیدگیوں کا بغور مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے دور کے مختلف النوع انسانی تجربوں کو ایک خاص فنی سلیقگی کے ساتھ پیش کردیتا ہے۔ ناول کے فن کی تشکیل و تکمیل مندرجہ ذیل عناصر سے ہوتی ہے۔

قصہ پن، پلاٹ، واقعات، کردار، پس منظر، زبان وبیان اور نقطۂ نظر۔

جے۔ بی۔ پرسٹلے۔ (J.B.PRYSTLAY) کے مطابق...... "ناول بیانیہ نثر ہے جس میں خیالی کرداروں اور واقعات سے سروکار ہوتا ہے۔" لیکن اندرے (INDEREA) کا خیال ہے کہ "حقیقی ناول کبھی صرف رومانی نہیں ہوتا۔ اس کے لیے حقائق کا سہارا اور حقیقی سوسائٹی کا پس منظر ضروری ہے۔"

ناول میں بالعموم ایسا قصہ بیان ہوتا ہے جس میں زندگی کی ترجمانی فنی تسلسل کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ناول کا فن معاشرتی یا انفرادی زندگی کی حقیقت نگاری کا فن ہے۔ ناول نگار اپنے فکر و فن سے ایک نئی حقیقت کی تخلیق کرتا ہے۔ اردو میں بھی ناول کے فن میں بہت تنوع ملتا ہے۔ کچھ ایسے بھی ناول لکھے گئے ہیں جن میں روایتی اجزائے ترکیبی سے انحراف کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے پلاٹ یا موضوع یا اسلوب کے اعتبار سے ناولوں کی کئی قسمیں ملتی ہیں۔ اردو

میں ناول کے اولین نمونے نذیر احمد کے قصوں میں نظر آتے ہیں۔ ان کی پہلی تصنیف مراۃ العروس ۱۹۶۹ء میں مکمل ہوئی۔ اس کے بعد بناۃ النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور دیگر ناول لکھے۔ نذیر احمد کے ان قصوں کے بیشتر کردار مسلمانوں کے اس متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو غدر کے ہنگامے میں اپنا وقار اپنی شان و شوکت اور آمدنی کے بیشتر وسائل کھو کر بھی شائستگی، شرافت اور عزتِ نفس جیسی قدروں کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ نذیر احمد کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قصے کی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہیں۔ جزئیات پر ان کی گہری نظر ہے انہوں نے اپنے قصوں کا مواد روزمرہ کی زندگی سے حاصل کیا ہے۔ اور متوسط طبقے کی گھریلو زندگی کی کامیاب مرقع کشی کی ہے ان کے کردار عام طور پر مثالی ہوتے ہیں۔ لیکن کلیم، مبتلا، ابن الوقت، ظاہر دار بیگ ان کے بہترین کردار ہیں۔ جو اپنے عہد کی بدلتی ہوئی قدروں اور سماجی تصادم کی نمائندگی کرتے ہیں۔ عورتوں میں اکبری، ہریالی اور نعیمہ کے کردار کامیاب کردار کہے جاسکتے ہیں۔ نذیر احمد کی طرح دوسرے ادیبوں نے بھی اصلاحی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ناول لکھے۔ جن میں حالی اور سرفراز حسین عزی کے ناول قابل ذکر ہیں۔ حالی نے مجالس النساء (۱۸۷۷) میں عورتوں کی تعلیم وتربیت کو موضوع بنایا تھا۔ ان ناولوں میں تخلیقی صلاحیت کی کمی کے ساتھ مقصد ہر جگہ حاوی ہے۔ ان ناول نگاروں میں جو خامیاں ہیں ان کو کسی حد تک سرشار نے اپنے ناولوں کے ذریعے دور کیا۔ فسانۂ آزاد، سیر کہسار، جام سرشار، کامنی، جیسے نمائندہ ناول لکھے۔ ان میں سب سے کامیاب فسانۂ آزاد ہے۔ اس کا موضوع لکھنؤ میں جاگیردارانہ عہد کی زوال پذیر معاشرت ہے۔ لیکن اس محدود دائرے میں جو وسعت سرشار نے پیدا کی ہے۔ وہ ان کے مشاہدے کی گہرائی کا ثبوت ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر پہلو کو نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن ان کے یہاں واقعات میں ربط اور تسلسل نہیں ہے۔ اس میں واقعات کی کثرت، بے ربطی پلاٹ کی کمزوری، کرداروں کی بے جا افراط اس قصے کے اہم نقائص ہیں۔ سرشار کے کرداروں میں خوجی غیر فانی کردار ہے۔ نسوانی کرداروں میں فسانہ آزاد کی اللہ رکھی، سیر کہسار کی قمرن، اور جام سرشار کی طہورن نچلے طبقے کے نمائندہ کردار ہیں۔ سرشار کے معاصرین میں منشی سجاد حسین کا نام قابل ذکر ہے۔ انہوں نے اودھ پنچ (۱۸۷۷) کے ذریعے ظریفانہ طرز تحریر کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے اپنے اخبار اور ناولوں کے ذریعے اپنے عہد کے سیاسی و سماجی حالات کو طنز کا نشانہ بنایا۔ ان کے ناولوں میں

حاجی بغلول، خود دار لونڈی، پیاری دنیا، احمق الذی، چھڑی کا یا پلٹ اور حیات شیخ چلی مشہور ہیں۔ ان کے ناولوں میں حاجی بغلول کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے ناولوں میں لکھنؤ کی تہذیب اور معاشرت کے جیتے جاگتے نقشے ملتے ہیں۔ لیکن واقعات میں وہ بے ربطگی نہیں ہے جو فسانہ آزاد میں ہے۔

اس تشکیلی دور میں عبدالحلیم شرر بھی بے حد ممتاز ناول نگار ہیں وہ تاریخی ناولوں کے بانی ہیں۔ انہوں نے اسکاٹ کے تاریخی ناول طلسمان کا مطالعہ کیا تو ان پر یہ تاثر قائم ہوا کہ اس ناول میں اسلام کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے رد عمل میں ناول لکھنے کا عزم کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام کی عظمت اور سربلندی کو دکھایا جائے۔ شرر نے مسلمانوں کو ان کی تاریخ ماضی کی عظمتوں اور شوکتوں کا نقشہ دکھلا کر ان کے دلوں سے مایوسی اور افسردگی کو دور کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ناولوں میں منصور موہنا، شوقین ملکہ، فلورا فلورنڈا، اور فردوس بریں مشہور ہیں۔ ان کے ناولوں کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے قصے کی جدید صنف کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ شیخ علی جودی اور زمرد ان کے بہتر کردار ہیں۔ اس دور کے اہم ناول نگاروں میں انجم کسمنڈوی، محمد علی طیب بھی مشہور ہیں۔

لیکن شرر کے بعد جسے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ مرزا ہادی رسوا ہیں۔ ان کے پانچ طبع زاد ناول ہیں "افشاں راز، اختری بیگم، ذات شریف، شریف زادہ اور امراؤ جان ادا۔ امراؤ جان ادا کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ جس میں رسوا نے لکھنؤ کے انحطاط پذیر معاشرے کی خوبصورت مرقع کشی کی ہے۔ رسوا کے بعد پریم چند نے ناول لکھے۔ ان کے ناول زندگی کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ ان کے مشہور ناولوں میں بیوہ، جلوۂ ایثار، بازار حسن، گوشۂ عافیت، نرملا، چوگان ہستی، پردۂ مجاز، میدان عمل، گئودان وغیرہ ہیں۔ پریم چند کے بعد نیاز فتحپوری اور مجنوں گورکھپوری نے ناول کے فورم میں رومانی اور نفسیاتی قصے پیش کئے۔

ترقی پسند ادیبوں نے اردو ناول کو بدلتی ہوئی زندگی اور فن کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ سجاد ظہیر کے ناولٹ "لندن کی ایک رات" تکنیک اور فن کے لحاظ سے ایک اچھوتی تخلیق ہے۔ عصمت چغتائی نے ضدی، ٹیڑھی لکیر اور معصومہ لکھ کر ناول کے فن کو موضوعاتی تنوع سے آشنا کیا۔ عصمت کے علاوہ اپندر ناتھ اشک، علی عباس حسینی، خواجہ احمد عباس اور قاضی عبدالغفار نے بھی ناول لکھے۔ آزادی کے بعد جن ناول نگاروں نے ناول

کے فن کو زندگی کے نئے میلانات کے ساتھ پیش کیا ان میں کرشن چندر، قرۃ العین حیدر، عزیز احمد، خدیجہ مستور، عبداللہ حسین اور قاضی عبدالستار وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ آزادی کے بعد ناول نگاری کے فن کو شعوری طور پر پیش کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء کے بعد شوکت صدیقی کا خدا کی بستی، ممتاز مفتی کا علی پور کا ایلی، جمیلہ ہاشمی کا تلاش، عبداللہ حسین کا اداس نسلیں، خدیجہ مستور کا آنگن، قاضی عبدالستار کا شب گزیدہ اور دارا شکوہ، بیدی کا ایک چادر میلی سی، انتظار حسین کا بستی اور چاند گہن، حیات اللہ انصاری کا لہو کے پھول، جیلانی بانو کا ایوان غزل، اردو ناول کو نئے آفاق سے روشناس کراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حالیہ دو دہائیوں میں جن ناولوں کو مقبولیت ملی۔ ان میں عبدالصمد کا دو گز زمین، شموئل احمد کا ندی، غضنفر کا پانی اور کینچلی، گیان سنگھ شاطر کا گیان سنگھ شاطر، الیاس احمد گدی کا فائر ایریا، سید محمد اشرف کا نمبردار کا نیلا، اقبال مجید کا نمک وغیرہ اہم ہیں۔

نذیر احمد

نذیر احمد ۱۸۳۱ء میں ضلع بجنور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔ نذیر احمد اعلیٰ زباں داں، مترجم، مقرر عالم اور قصہ نویس تھے۔ لیکن ناول نگار کی حیثیت سے نذیر احمد کی شہرت بہت ہوئی۔ ڈپٹی نذیر احمد نے ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی کالج میں عربی اور فلسفہ کی تعلیم مکمل کی۔ الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر ہونے کے بعد انگریزی کی طرف توجہ کی اور Indian Penal Code کا ترجمہ تعزیرات ہند کے نام سے کیا۔ جو بہت مقبول ہوا۔ ۱۸۷۷ء میں نذیر احمد نے انگریزی حکومت کی ملازمت چھوڑ کر حیدرآباد میں ملازمت کی۔ حیدرآباد سے ہی پنشن لے کر دہلی آ گئے۔ نذیر احمد کی علمی اور ادبی خدمات سے خوش ہو کر حکومت نے ان کو شمس العلماء اور خاں بہادر کا خطاب عطا کیا۔ نذیر احمد نے مذہبی قانون کی کتابیں، ناول اور قصے اور بچوں کے لیے بھی کئی کتابیں لکھیں۔ ادبی نقطہ نگاہ سے نذیر احمد کے عام ناولوں میں سب سے زیادہ اہمیت مراۃ العروس، توبۃ النصوح، اور ابن الوقت کو حاصل ہے۔

لیکن نذیر احمد کے ناولوں میں ربط و تسلسل نہیں ملتا اور نہ ہی ناول کے بنیادی اجزاء نظر آتے ہیں ان کے ناول محض قصے بن کر رہ گئے ہیں۔ لیکن ان قصوں میں خیالی دنیا کے بجائے حقیقی زندگی کے کردار نظر آتے ہیں، لیکن یہ کردار گفتگو کم اور تقریر زیادہ کرتے

ہیں۔ان کے ناولوں میں عورتوں کی زبان اور عورتوں کے مخصوص محاورے بہت ملتے ہیں۔

نذیر احمد کے ناولوں میں ابن الوقت بہت اہم ناول ہے۔ نذیر احمد نے اس ناول میں اپنے عہد کے معاشرت سیاسی اور اقتصادی حالات کی خوب صورت تصویر پیش کی ہے۔ یہ ناول ۱۸۸۸ء میں لکھا گیا۔ ایک شخص ابن الوقت انگریز نوبل نام کے افسر کے رنگ ڈھنگ اور انگریزی تعلیم کی وجہ سے مغربی تہذیب اختیار کرلیتا ہے۔ لیکن نذیر احمد نے اس ناول میں یہ بات ثابت کردی ہے کہ انگریزی طرز معاشرت کی تقلید مسلمانوں کے لیے گمراہ کن ہے۔ اس ناول میں نذیر احمد نے انیسویں صدی کے سارے اہم مسائل اور رجحانات سے بحث کی ہے۔ اس ناول میں اصلاحی رنگ بہت نمایاں ہے، جس سے ناول کے فن کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ دراصل وہ انگریزی تہذیب کی مخالفت کرنے کے ساتھ ہندوستانی تہذیب کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ اس ناول کے ذریعے نذیر احمد نے قوم کی اصلاح کا کام بھی لیا ہے۔

مرزا ہادی رسوا

مرزا محمد ہادی رسوا ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور یہیں ۲۱/اکتوبر ۱۹۳۱ء میں انتقال کیا۔ مرزا محمد ہادی رسوا اردو ناول نگاری میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ مرزا رسوا نے ۲۰ ویں صدی کے وہ تمام رجحانات جو آگے چل کر بہت واضح ہوگئے وہ تمام رسوا کی ابتدائی تحریروں میں ملتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں کو اپنے زمانے کی تاریخ بنادیا۔ رسوا نے اپنے سے پہلے ناول نگاروں سے ہٹ کر اس فن کو بہ حیثیت فن ترقی دی۔ غیر فطری واقعات اور تخیلی مبالغہ آرائی یا رومانی آئیڈیلزم کو مد نظر نہیں رکھا۔ بلکہ اپنے معاشرے کے ایک ایک پہلو کی حقیقی تصویر کھینچی ہے۔ انہوں نے ناول کے فن کو شعوری طور پر اپنایا۔ اور مواد کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو رسوا کی نفسیاتی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح انسان کے داخلی اور اندرونی جذبات کی کش مکش کرداروں کی زبانی پیش کیے ہیں۔ رسوا کے ناولوں میں ذات شریف، شریف زادہ، امراؤ جان ادا، اور افشائے راز ہیں۔ ذات شریف میں لکھنؤ کے اعلیٰ طبقے کی مرقع کشی کی ہے۔ تمام کردار زندگی سے قریب نظر آتے ہیں۔ مرزا رسوا نے انگریزی ناولوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ رسوا کے یہاں ناول نگاری کا ایک گہرا اور پختہ شعور ملتا ہے۔

امراؤ جان ادا کے کرداروں کی تخلیق میں رسوا کی فنی بصیرت پورے طور پر نمایاں

ہے۔ امراؤ جان ادا کی تہذیب خودداری تجربات نظریۂ زندگی اور عورت کی نفسیات کے تمام پہلو ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ رسوا نے قریباً چار سال تک ایک خوش مذاق طوائف کی سیرت کو اپنے ذہن اور تصور میں پالا پوسا اور قلم اٹھا کر دنیا کے سامنے ایک زندہ طوائف کا کردار پیش کردیا۔ اس میں اس قدر خلوص اور اعتماد تھا کہ لوگ مدتوں اکبری دروازے کے آس پاس لکھنؤ میں امراؤ جان ادا کا پتہ پوچھتے رہے۔ امراؤ جان کے تمام کردار گوہر مرزا، امیرن، خانم، دلاور خاں، بسم اللہ خان، نواب جعفر علی اور خود امراؤ جان ایک جیتا جاگتا کردار اور لکھنوی تہذیب کا مرقع ہے۔ من حیث المجموع امراؤ جان پہلا ناول ہے جس میں زندگی اور فن ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ رسوا کا اسلوب اس ناول میں انتہائی سادہ اور فطری ہے۔ ان کے ہاں ناول کا فن عصری تاریخ کا فن بن جاتا ہے۔

امراؤ جان ادا میں واقعات کو خود نوشت کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۸۹۹ء ہے۔ اس ناول میں ایک طرف طوائف ہے دوسری طرف اس کا پورا ماحول اور اس کی کش مکش وجدو جہد ہے چونکہ امراؤ جان کا موضوع مرزا کے مزاج سے مطابقت رکھتا تھا اور یہی بات اس ناول کی کامیابی اور رسوا کی فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا ضامن بنی۔

پریم چند

بنارس سے چھ کلومیٹر دور لمہی گاؤں میں پریم چند کا ۱۸۸۰ء میں جنم ہوا اور ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔ اردو اور فارسی پڑھنے کے بعد انٹرنس کر کے ٹیچر مقرر ہوگئے تھے۔ ۲۰ ویں صدی کی پہلی دہائی میں ان کا پہلا ناول اسرار معابد منظر عام پر آیا۔ ۱۹۰۸ء میں ان کی کہانیوں کا مجموعہ سوز وطن، شائع ہوا پریم چند کا نام تو دھنپت رائے تھا لیکن اردو اور ہندی میں پریم چند کے قلمی نام سے آج تک مشہور ہیں۔ ان کے افسانے اور ناول اردو زبان و ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ ادب میں پہلی بار دیہاتی زندگی، اس کی تلخی، مشاہدے اور تجربات کو پیش کیا، اور اپنے ہم عصروں میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔ ان کے افسانے قومی سیاسی اور سماجی، رجحانات، انقلابات سے بھرے ہوئے ہیں۔ عوامی زندگی کو پریم چند نے اپنی تحریروں کے ذریعے پر تاثیر بنا کر پیش کیا ہے۔ پریم چند نے اپنی نثر میں ہندی اور فارسی کے الفاظ شامل کیے ہیں۔ وہ ہر طبقے کی زبان بحسن و خوبی لکھتے تھے۔ پریم چند سماج اور فرد کے درمیان عمل اور

رد عمل کو مہارت کے ساتھ اجاگر کرتے ہیں ان کے افسانوں کے نمائندہ مجموعے پریم پچیسی، پریم چالیسی زادِ راہ اور واردات مشہور ہیں۔ ناولوں میں بازارِ حسن، گوشۂ عافیت، چوگانِ ہستی اور گئودان کا شمار اردو کے بہترین ناولوں میں ہوتا ہے۔

یوں تو فنی اعتبار سے میدانِ عمل ایک کامیاب ناول ہے لیکن جو شہرت گئودان کو نصیب ہوئی وہ کسی اور ناول کے حصے میں نہیں آئی۔ چونکہ ناول اور سماج میں بڑا گہرا ربط وضبط ہوتا ہے اسی طرح گئودان اپنے عہد کی تمدنی زندگی کا ایک مربوط خلاصہ ہے۔ یہ ناول ۱۹۳۵ء میں مکمل ہوا۔ گئودان میں پریم چند نے کسانوں کی انقلابی شعور اور جدوجہد کو دکھایا ہے۔ لیکن اس ناول میں کسی قسم کی رومانیت نظر نہیں آتی۔ پریم چند کا گئودان حقیقت نگاری کی معراج ہے۔ کہ قاری کو بس زندگی وہی نظر آتی ہے۔ اس کا کردار ہوری سماج کا ایک ادنیٰ سا فرو ہونے کے باوجود پریم چند کے فنی مہارت کے ہاتھوں امر ہوگیا۔ گئودان اصل میں ایک گہرے اور مکمل تاثر کی طرف قاری کو رفتہ رفتہ لے جاتا ہے ہوری کی گھریلو زندگی اس کے مختلف مسائل بیوی بچوں سے اس کے تعلقات بھائی بندوں کی رقابتیں ان کی محبتیں، نفرتیں، ہمدردیاں، مجبوریاں، دکھ و درد غرض ہوری کی زندگی میں کسانوں اور دیہاتی زندگی کا کوئی بھی ایسا پہلو نہیں جس کو پریم چند نے پیش نہ کیا ہو۔

اِس کے علاوہ الیکشن اور ممبری کا چرچا اس ناول کو سیاسی بھی بناتا ہے۔ یہ اس دور کا ناول ہے جب ملیں کھل رہی تھیں اور ملوں کا اثر اور اس کی فضا دیہاتوں اور شہروں کو متاثر کر رہی تھی۔ دیہاتی اپنے دکھوں سے تھک ہار کر سکون کی تلاش میں شہروں کا رخ کر رہے تھے۔ غرض گئودان اپنے کرداروں اور فن کی وجہ سے مشہور و مقبول ہوا۔

قرۃ العین حیدر

قرۃ العین حیدر کی پیدائش ۲۰ر جنوری ۱۹۲۶ء کو علی گڑھ میں ہوئی۔ آزادی کے بعد اردو ناول کو مستحکم بنانے والوں میں قرۃ العین حیدر کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کے کئی ناول منظر عام پر آچکے ہیں۔ جن میں میرے بھی صنم خانے، سفینۂ غم دل اور آگ کا دریا کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آگ کا دریا قرۃ العین حیدر کا وہ ناول ہے جو سب سے زیادہ موضوع بحث بنا۔ اس ضخیم ناول میں قرۃ العین حیدر نے ہندوستان کے تہذیبی ورثے کو اس انداز سے کھنگالا ہے کہ

تاریخ کے مختلف ادوار زندہ اور متحرک ہو کر منظر سے پس منظر تک اس عہد کی مثال بن جاتے ہیں۔ اس ناول میں تین ہزار برسوں کی ہندوستانی تاریخ کو تہذیبی اور ثقافتی سیاق میں پیش کیا گیا ہے۔ آگ کا دریا دراصل دھند میں گم ان قریوں اور بستیوں کی تلاش ہے جن کو وقت کا دریا غرقاب کر کے کبھی کا آگے بڑھ چکا تھا۔ اس ناول کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو چندر گپت کے عہد سے شروع ہو کر تقسیم کے المیہ پر ختم ہوتی ہے۔ اس ناول میں جہاں ایک طرف راجوں، مہاراجوں کی جنگیں، بادشاہوں اور سلطانوں کی فوج کشی، ایسٹ انڈیا کمپنی کی سازشیں، سراج الدولہ اور واجد علی شاہ کے عہد کی عکاسی کی گئی ہے وہیں دوسری طرف ویدک فلسفہ، بدھ مت، بھگتی اور اسلام کی رنگارنگی سے ابھرتی ہوئی مشترکہ تہذیب کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ یہ ناول وقت کے دریا کی اس بے رحم حقیقت کا سفاکانہ سیلاب ہے جس کی زد میں آکر ہر شئے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ یہ ناول ہندوستان کے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی کہانی ہے۔ اس کے بعض کردار مثلاً، گوتم نیلمبر، ابوالمنصور کمال الدین، ہری شنکر بڑے معنی خیز کردار ہیں۔ دراصل یہ کردار ایک تہذیب کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں ہر ایک کے سفر کا اختتام دوسرے سفرنامے کی تمہید بن گیا ہے۔

ایک ناول نگار کی حیثیت سے قرۃ العین حیدر کامیاب ہیں۔ ان کے یہاں تاریخی اور تہذیبی پس منظر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے دوسرے ناول سیتاہرن، چائے کا باغ، اگلے جنم میں موہے بٹیانہ کیجیو، دلربا، آخر شب کے ہمسفر، کار جہاں دراز ہے، گردش رنگ چمن اور چاندنی بیگم ہیں۔

OO

افسانہ

مختصر افسانہ جدید نثری ادب کی ایک خاص صنف ہے۔ جسے انگریزی میں Short Story کہتے ہیں۔ اردو میں یہ صنف مختصر افسانہ، افسانہ اور کہانی تینوں ناموں سے مشہور ہے۔ اس کی اہم خصوصیت اس کا اختصار ہے۔ داستان اور ناول کے مقابلے میں افسانہ بہت مختصر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اختصار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ ایڈ گرلن پو کے مطابق "مختصر افسانہ ایسی کہانی ہے جسے آدھ گھنٹے سے دو گھنٹے کے درمیان پڑھا جاسکے۔" موجودہ دور میں یہ تعریف نامکمل معلوم ہوتی ہے کیونکہ کچھ ایسے بھی مختصر افسانے لکھے گئے ہیں جن کے مطالعے میں مقررہ وقت سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ قاری کے پڑھنے کی رفتار بھی الگ الگ ہوتی ہے۔

ناول کے مقابلے مختصر افسانے میں بالعموم کسی ایک ہی واقعے کا بیان ہوتا ہے اور کردار بھی کم ہوتے ہیں۔ اس کے کروار ایک ہی مقصد کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کا پلاٹ مربوط اور جامع ہوتا ہے۔ مختصر افسانہ سے مراد ایسی نثری کہانی ہے جس میں کسی شخص کی زندگی کا ایک اہم یا دلچسپ پہلو پیش کیا گیا ہو یا اس میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جس کی ابتداء ہو، ارتقاء ہو، اور خاتمہ ہو، اور جو زندگی کی بصیرت میں اضافہ کرے۔ اردو میں ایسے بھی افسانے لکھے گئے ہیں۔ جو بغیر پلاٹ کے ہیں۔ دراصل بدلتی ہوئی زندگی اور زمانے کے بدلتے ہوئے مذاق کے ساتھ افسانے کی پیش کش اور ہیئت میں بھی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔

اردو میں مختصر افسانے کے اولین نمونے پریم چند، سجاد حیدر یلدرم اور سلطان حیدر جوش کے یہاں ملتے ہیں۔ پریم چند نے اپنے افسانوں میں سامراج دشمن اور وطن دوستانہ جذبات کی عکاسی کی۔ سجاد حیدر کے افسانوں میں رومانیت کے علاوہ اصلاح اور مقصدیت غالب ہے۔ سلطان حیدر جوش نے بھی اپنے افسانوں میں معاشرت کی اصلاح کو موضوع بنایا ہے۔ اس زمانے میں رومانی طرز کے افسانے نیاز اور مجنوں نے بھی لکھے۔ ترقی پسند تحریک کا آغاز یوں تو ۱۹۳۶ء میں ہوا لیکن اس سے ایک سال قبل سجاد ظہیر نے "انگارے" کے نام سے باغیانہ

کہانیوں کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ چنانچہ انگارے کی اشاعت اور ترقی پسند تحریک نے افسانوی دنیا میں ایک نئی لہر پیدا کی۔ اور دیکھتے دیکھتے سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، اوپیندر ناتھ اشک جیسے اہم افسانہ نگار پیدا ہوئے جنہوں نے اردو افسانے کو بے حد ترقی دی۔ اور انسان دوستی سماجی اصلاح اور قومی شعور کو بیدار کیا۔ آزادی کے بعد تقسیم ملک اور فسادات پر بے حد موثر افسانے لکھے گئے۔ ان افسانوں میں جو حقیقت پسندی اور فطرت پسندی کی ترجمانی کی گئی وہ روسی افسانہ نگاروں سے متاثر ہو کر کی گئی۔ اس کے علاوہ فرائڈ، ایڈلر، جنگ، موپاساں، چیخوف نے بھی اردو افسانہ نگاروں کو متاثر کیا۔ ۱۹۵۰ء کے بعد اردو میں علامتی افسانے کا آغاز ہوا جن میں علامت کے پردے میں بات کہی گئی، اس رنگ کے نمائندہ افسانہ نگاروں میں انتظار حسین، سریندر پرکاش، انور سجاد، بلراج منرا، خالدہ حسین، قابل ذکر ہیں۔ ترقی پسند تحریک نے حقیقت پسندی کی جس روایت کو فروغ دیا تھا۔ اسے پروان چڑھانے والوں میں حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، احمد ندیم قاسمی، صالحہ عابد حسین، شوکت صدیقی، اشفاق احمد، رام لال اور جوگندر پال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عصر حاضر میں بدلتے ہوئے حالات اور پیچیدگی کے ساتھ ساتھ مختصر افسانہ بھی پیچیدہ ہوتا جارہا ہے اور افسانہ نگاروں کی جو نئی نسل سامنے آرہی ہے وہ براہ راست اپنی بات کہنے کے بجائے علامتی طرز بیان کو ترجیح دے رہے ہیں۔

پریم چند

پریم چند نے ابتداء میں بنگالی زبان کے افسانوں سے متاثر ہو کر اردو میں مختصر افسانے لکھنے شروع کیے جس کی اشاعت ۱۹۰۸ء میں "سوز وطن" کے نام سے ہوئی۔ اس میں پانچ افسانے شامل ہیں۔ اس کے بعد پریم پچیسی، پریم چالیسی، زردراہ، واردات وغیرہ کے نام سے مجموعے شائع ہوئے۔ بعض افسانوں کو شہر آفاق شہرت حاصل ہوئی مثلاً...... کفن، بڑے گھر کی بیٹی، معصوم بچہ، دو بیل، پوس کی رات، دودھ کی قیمت، گلی ڈنڈا، راہ نجات، سجان بھگت، علیحدگی، مزار آتشیں وغیرہ۔ ان کے افسانوں میں رومانیت، انقلابیت، اخلاقی قدروں کا احساس، انسانی عظمت، وطن دوستی، دبے کچلے انسانوں کے دکھ درد کا ہمدردانہ احساس، ظلم و جبر کے خلاف ردعمل، خودی کی بیداری، موجود ہیں۔ زبان و بیان اور موضوعات میں رشتہ قائم کرنے کا فن ان کے افسانے کو بلند مقام عطا کرتا ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے ان کے

افسانے گاؤں اور وہاں کی فضا کو پیش کرتے ہیں جن میں کسانوں پر ہونے والے ظلم وجبر، بیواؤں کے ساتھ زیادتی، مہاجنوں کی سود خوری، زمینداروں کی بربریت، راجپوتوں کی شجاعت، غریبوں کی ایمانداری کو پیش کیا گیا ہے۔ ان کے بیشتر افسانے اصلاحی نقطہ نظر اور اخلاقی اقدار کو پیش کرتے ہیں۔ پریم چند وہ پہلے افسانہ نگار ہیں جن کے یہاں حقیقت نگاری کے واضح نقوش پائے جاتے ہیں۔ گرچہ ان سے قبل جو چند افسانے لکھے گئے مثلاً...... محمد حسین آزاد کا تمثیلی قصہ "نیرنگ خیال" یا سجاد حیدر یلدرم کے افسانے، ان میں حقیقت پسندی اور ترقی پسندی کا رجحان نہیں تھا۔ پریم چند کے افسانوں کے کردار جاندار اور چلتے پھرتے کردار ہیں۔ ان میں ارتقاء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند کو اردو افسانہ نگاری میں بلند مقام حاصل ہے۔

سعادت حسن منٹو

سعادت حسن منٹو ۱۹۱۲ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ اور ان کا انتقال ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ اردو کے ایک اہم اور متنازعہ افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ منٹو نے ادبی زندگی کا آغاز غیر ملکی زبانوں کے تراجم سے کیا لیکن بہت جلد وہ تخلیقی کہانیاں لکھنے لگے۔ انہوں نے رزق حیات، ریڈیو میں ڈرامہ اور فلم کے لیے کہانیاں لکھ کر حاصل کیا۔ آزادی کے بعد بمبئی سے لاہور منتقل ہوگئے۔ منٹو کی زندگی بڑی کسمپرسی میں گزری شراب نوشی نے صحت خراب کردی۔ ان کے افسانوں کے ۱۷ مجموعے چھپے ان میں سے دھواں، نفرت، سنگ، نمرود کی خدائی، چغد، ٹھنڈا گوشت، یزید، خالی ڈبہ، خالی بوتلیں، سیاہ حاشیے، بادشاہت کا خاتمہ اور سڑک کے کنارے، بہت مشہور ہیں۔ منٹو انسانی زندگی اور اس کی نفسیات کو پوری آگہی سے استعمال کرنے والے افسانہ نگار تھے۔ انہوں نے کھردری حقیقت کو بے رحمی سے موضوع بنایا۔ اور اپنے افسانوں سے پورے دور کو چونکادیا۔ ان کے موضوعات کے پس پردہ گناہوں، تیسرے درجہ کی طوائفوں اور قحبہ خانوں میں پلنے والے بھڑووں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ہتک، بابو گوپی ناتھ، کالی شلوار، ٹھنڈا گوشت، بو، کھول دو، موذی وغیرہ افسانوں میں اس قسم کے کردار حادثات اور واقعات کی چکی میں پستے نظر آتے ہیں۔ تماشہ اور ماتمی جلسہ، سیاسی آگہی اور انگریزی دشمنی کے افسانے ہیں۔

منٹو نے فسادات پر بڑے عمدہ افسانے لکھے ہیں۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ، یزید، اس کی مثالیں ہیں ان افسانوں میں اخلاقی بے راہ روی اور جنسی تشدد کے مختلف پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ منٹو کے بعض افسانوں پہ فحش نگاری کے الزام لگائے گئے اور کئی بار مقدمہ چلایا گیا۔ ایسے افسانے ناپختہ ذہنوں پر منفی اثر ڈال سکتے ہیں۔ منٹو ایک حساس طبع اور باریک مشاہدے کا افسانہ نگار ہے جس کو سمجھنے کے لیے ذہن کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے، غالباً اسی لیے محمد حسن عسکری نے لکھا ہے:

"منٹو کے برے افسانوں کو برا سمجھنے کے باوجود میں اسے اردو کا سب سے بڑا افسانہ نگار سمجھتا ہوں۔"

کرشن چندر

کرشن چندر کا شمار اردو کے مختصر افسانہ کے اہم معماروں میں ہوتا ہے بلکہ انہیں ایشیا کا سب سے بڑا افسانہ نگار بھی قرار دیا گیا ہے۔ کرشن چندر نے بے شمار افسانے لکھے ہیں اس کے علاوہ انشائیہ، رپورتاژ، ڈرامے اور ناول وناولٹ بھی ان کی یادگار ہیں۔ دو فرلانگ لمبی سڑک، کالو بھنگی، زندگی کے موڑ پر، بالکونی، غالیچہ، ان داتا، کچرا بابا وغیرہ ان کے بہترین افسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ابتدا میں ان کے افسانوں پر رومانیت کا غلبہ تھا جس کی وجہ کشمیر اور گل مرگ کی خوبصورت وادی ہے۔ بعد میں انہوں نے حقیقت نگاری کی طرف رجوع کیا۔ ان کے افسانوں کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ انہوں نے رومان اور حقیقت کو ہم آہنگ کردیا ہے۔ اپنے افسانوں میں مختلف موضوعات پر قلم اٹھاتے ہوئے انہوں نے زندگی کے ہر پہلو کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے گویا خود ان کا وجود پارہ پارہ ہو کر ان کے کرداروں میں ان کا سایہ بن گیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ایک کھردرا پن اور اکھڑی اکھڑی انداز تحریر کا احساس ہوتا ہے جو بلاشبہ ان کی انفرادیت کا ضامن ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں مختلف تکنیکوں کا استعمال کیا ہے۔ بعض میں تو پلاٹ کا نام ونشان نہیں ہے اور بغیر کلائمکس کے بھی انہوں نے افسانے لکھے ہیں۔ انٹی پلاٹ کی تکنیک استعمال کرنے کے باوجود افسانے موثر اور کامیاب ہیں۔ تقسیمات، قحط بنگال، نفسیات، جنسیات اور دبے کچلے انسان، حسن وعشق، غرض ہر طرح کے موضوعات ہیں اور مخصوص انداز تحریر جس میں طنز ومزاح کا رنگ بھی غالب

ہے، اپنے دامن میں دلچسپی کے پورے سامان سجائے ہوئے ہے۔ ۱۹۵۵ء کے بعد بسیار نویسی نے ان کے افسانوں کے تاثر کو مجروح کیا ہے مگر ان کے افسانوں میں جوش و ولولہ، جلال و جمال، تشبیہ و استعارہ، کنایہ، رمزیت اور علامت، ہندی الفاظ اور اشاراتی انداز بیان نے خوبی پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کا ذکر ان کے افسانوں میں لازوال محبت کی علامت بن گیا ہے۔ "تائی السیری" اس کی بہترین مثال ہے۔ انہیں خوبیوں نے کرشن چندر کے افسانوں کو لازوال بنا دیا ہے۔ کرشن چندر کے افسانوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کے افسانوں میں ماضی، حال اور مستقبل کو مربوط کر کے پیش کیا گیا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی

راجندر سنگھ بیدی ۱۹۱۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ان کا انتقال ۱۹۸۴ء میں ہوا ان کے افسانوں میں سماجی حقیقت اور انسان کی داخلی واردات، کیمیائی صورت میں سامنے آتی ہے۔ بیدی نے عملی زندگی کی ابتداء ڈاکخانے کی معمولی ملازمت سے کی پھر ریڈیو اور فلم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ بیدی نے افسانی دکھوں کی نقاب کشائی اس طرح کی ہے کہ ان کا دکھ ہر انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے وہ چھوٹی سی حقیقت سے زندگی کی گہری معنویت پیدا کرنے والے افسانہ نگار تھے۔ زندگی کی معصوم حقیقتوں کی عکاسی ان کے افسانوں بھولا، ببل، گرم کوٹ، اپنے دکھ مجھے دیدو، لاجونتی، صرف ایک سگریٹ، وغیرہ میں نظر آتی ہے۔ بیدی گرچہ ترقی پسند دور کے افسانہ نگار ہیں۔ لیکن وہ کبھی اس تحریک کے غلام بن کر نہیں رہے۔ ان کے افسانوں میں جنس کو ایک متحرک قوت حاصل ہے۔ ایسے افسانوں میں بیدی نے مہذب انداز اختیار کیا ہے اسی لیے ان کے جنسی موضوعات کے افسانوں میں Sex Appeal نہیں ملتی۔ بیدی کی زبان کچھ اکھڑی اکھڑی سی ہے، جس کی وجہ ان کا پنجابی ہونا ہے۔ ان کے افسانے دانہ و دام، گرہن، کوکھ جلی، لمبی لڑکی، ہاتھ ہمارے قلم ہوئے، مکتی بودھ، وغیرہ زندگی کی اہم سچائیوں کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے یہاں تیزی نہیں بلکہ رمزیت تہ داری اور مدھم لب و لہجہ ہے۔ ان کے یہاں بدایتی تکنیک اور مسلسل تبصرے کی تکنیک کا استعمال بہت خوبصورتی سے ہوا ان کی کہانیوں میں روح کی تڑپ، درد کی ہلکی ہلکی لہریں، قربت میں دوری کا اذیت ناک تصور، تنہائی کا کرب اور بہت کچھ پالینے کے بعد بھی سب کچھ کھودینے کا احساس ملتا ہے۔

عصمت چغتائی

عصمت چغتائی ۲۱/اگست ۱۹۱۵ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ یہ ترقی پسند دور کی ایک اہم افسانہ نگار ہیں انہوں نے اردو افسانوں میں رشید جہاں کی نسوانی بغاوت کو وسعت دی۔ اور جنس نگاری کے پردے میں معاشرتی حقیقت نگاری کو فروغ دیا۔ عزیز احمد نے انہیں رجعت پسندانہ اور مریضانہ رجحان کی افسانہ نگار شمار کیا ہے کلیاں، چوٹیں، چھوئی موئی افسانوں میں وہ سماجی حقیقت نگار کے طور پر ابھریں ان کے افسانے گیندا، فسادی، لحاف، پردے کے پیچھے، بہو بیٹیاں، بے کار، چوتھی کا جوڑا، دو ہاتھ اس دور کے تہذیبی رویے سے انحراف کی چند مثالیں ہیں۔ عصمت بنیادی طور پر عورت کے معاشرے کی مشاہدہ بین اور اس کی حقیقت نگار ہیں۔ انہوں نے عورت کے داخلی جذبوں کے ساتھ اُن کے سماجی کردار کو اجاگر کیا۔ ان کے افسانے ذہنی اور عملی زندگی کے تضاد سے پیدا ہوتے ہیں ور محبت و نفرت کو واضح طور پر سطح پر لے آتے ہیں ان کی سب سے بڑی خوبی بیانیہ پر قدرت اور مکالمے کا خوب صورت انداز ہے۔ اسی سبب ان کے افسانے زندگی کی رواں دواں تصویر بن جاتے ہیں۔ انہوں نے افسانوں اور ناولوں دونوں میں خاص طور پر مسلم گھرانوں کی زندگی کی جزئیات کا نقشہ کھینچا ہے۔ بچھو پھوپھی اور چوتھی کا جوڑا اس کی عمدہ مثال ہے۔

ڈرامہ

ڈرامہ یا ناٹک ایک صنف ادب ہے جو زمانہ قدیم سے مشہور و معروف رہا ہے۔ ارسطو جس کے یہاں ڈرامہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس نے اسے زندگی کی نقل قرار دی ہے۔ ادب کی دیگر اصناف کے مقابلے اس کا دائرہ کچھ پیچیدہ اور وسیع ہے۔ یہ پیچیدگی اور وسعت اس کے اسٹیج کے تعلقات کی وجہ سے ہے۔ عام طور پر ڈرامہ صرف پڑھنے اور مطالعے کے خاطر نہیں لکھا جاتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے اسٹیج پر عملی صورت میں پیش کیا جائے یہی پیش کش ڈرامہ کو ناول اور افسانے سے ممتاز بناتی ہے۔ بقول سید عابد حسین "ڈرامہ۔۔۔ادب کی اس صنف کا نام ہے جس کے ذریعے سے انسانی زندگی کے واقعات محض بیان کئے جانے کے بجائے کر کے دکھا سکیں" ڈرامہ لکھنے کے لیے صرف ادبی صلاحیت کافی نہیں بلکہ اسٹیج سے متعلق معلومات ضروری ہے۔ ڈرامہ کے اجزاء ترکیبی کے سلسلے سے سید عابد علی عابد کا خیال ہے کہ "ڈرامہ کے عناصر ترکیبی اور ناول کے عناصر ترکیبی میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے، ناول کے انتقادی اصولوں سے ڈرامائی تخلیقات بھی پرکھی جا سکتی ہے۔ ڈرامہ میں بھی اسی طرح پلاٹ یا ماجرا طرازی ہوتی ہے وہی کہانی کا اتار چڑھاؤ وہی کرداروں کا تشخص وہی گفتگو کی یا مکالے کی معنی خیزی اور اہمیت وہی حیات کے نظریات اور زماں و مکاں کے تصورات ہوتے ہیں۔"

ڈرامہ بھی ناول یا افسانے کی طرح زندگی سے متعلق کسی واقعہ کی ترجمانی ہے۔ ڈرامہ کے اہم اجزائے ترکیبی پلاٹ کا دہ مرکزی خیال، کردار، مکالمہ، کش مکش اور تصادم ہے۔

ارسطو نے ڈرامے کی دو قسمیں بتائی ہیں اول المیہ اور دوم طربیہ۔ لیکن ارسطو ان میں المیہ ڈرامے کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ مغرب میں المیہ ڈرامے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ باوجود اس کے طربیہ ڈرامے بھی کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں۔ فرصت اور فراغت کے لمحات کم ہونے کے سبب ڈرامے کی ایک نئی صنف وجود میں آئی جسے ایکانکی یا ایک ایکٹ کا ڈرامہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے ڈراموں میں ایک ہی واقعہ کو تاثر کی بھرپور قوت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ریڈیو کے لیے جو ڈرامے لکھے جاتے ہیں انہیں نشری ڈرامے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اردو ڈرامے کی ابتداء واجد علی شاہ کے ڈرامے "رادھا کنہیا" کے قصے سے ہوتی ہے۔ اسٹیج کے لیے واجد علی شاہ نے اپنی بعض مثنویوں کو بھی ڈرامے کی شکل دی تھی۔ واجد علی شاہ کے اثر سے ہی لکھنؤ میں ڈرامے کا رواج عام ہوا۔ اور "امانت کی اندر سبھا" جیسی بے مثل تمثیلی تخلیق وجود میں آئی۔ اندر سبھا کو اس زمانے میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔

انیسویں صدی کے نصف آخر کے آغاز میں پارسی اردو تھیٹر کا آغاز ہوا۔ اندر سبھا کے زیر اثر ان ڈراموں میں رقص و سرور کے عناصر کا زور رہا۔ روایتی رومانی قصے ڈرامے کی شکل میں پیش کئے گئے۔ ۱۸۸۰ء کے بعد طالب بنارسی، احسن لکھنوی اور بے تاب بریلوی جیسے باشعور ادیب جب کمپنیوں سے وابستہ ہوئے تو اردو ڈرامے کو ایک نیا آہنگ اور وقار ملا۔ طالب نے نظم اور نثر دونوں میں مکالمے لکھے اور اردو گیتوں کو ان میں شامل کیا۔ احسن لکھنوی نے شیکسپیئر کے ڈراموں کا آزاد ترجمہ کیا۔ اور خون ناحق، شہد وفا اور گلنار فیروز پیش کر کے ڈرامے میں ایک ادبی شان پیدا کی۔ بے تاب نے ہندی دیومالا اور مذہبی قصوں کو ڈرامائی رنگ میں پیش کیا۔ کرشن سداما، رامائن، مہابھارت اور فریب محبت ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔ آغا حشر نے پہلی بار ڈرامے کو فن کی طرف موڑا۔ اور ملک کے معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا۔ ان کے ڈراموں میں زبان کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ عوام کے مذاق اور معیار کو بلند کرنے کی کوشش ملتی ہے۔ انہوں نے بڑی تعداد میں ڈرامے لکھے۔ ابتداء میں پارسی کمپنیوں کے لیے پھر خود اپنی تھیٹریکل کمپنی کے لیے ان کے نمائندہ ڈراموں میں اسیر حرص، شہید ناز، یہودی کی لڑکی، خواب ہستی اور رستم و سہراب مشہور ہیں۔ ڈرامے کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھ کر بعض بڑے ادیب اور انشاء پرداز بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ مگر انہوں نے اسٹیج سے قطع نظر کر کے ڈرامے کو صرف ایک صنف کے طور پر برتا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اکبر کے نام سے ایک ڈرامہ لکھنا شروع کیا تھا جس کی تکمیل نہ کر سکے۔ اور بعد میں اسے ناصر نذیر فراق نے مکمل کیا۔

مرزا محمد ہادی رسوا نے بھی ایک منظوم ڈراما "مرقع لیلیٰ مجنوں" لکھا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے زود پشیماں، کے نام سے ایک معاشرتی ڈرامہ لکھا۔ جس میں بچپن کی شادی کی مذمت کی گئی ہے۔ پنڈت دتاتریہ کیفی نے راج دلاری، مراری دادا نام سے ڈرامہ لکھ کر اصلاح معاشرت کی کوشش کی۔ اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص طور سے زور دیا۔ عبدالحلیم شرر، پریم چند، چکبست نے بھی بعض ڈرامے لکھے۔ امتیاز علی تاج اور سید عابد

حسین اردو کے وہ بلند پایہ ڈرامہ نگار ہیں جنہوں نے اردو ڈرامہ نگاری کو فن اور فکر کی گہرائی اور لطافت سے روشناس کرایا۔ کم و بیش ایک ہی زمانے میں امتیاز علی تاج نے 'انار کلی' اور عابد حسین نے ''پردۂ غفلت'' کے نام سے ڈرامے لکھے۔

اشتیاق حسین قریشی، پروفیسر محمد مجیب اور فضل الرحمٰن نے ڈرامے کو ہندوستان کی قومی زندگی اور اس کے گوناگوں مسائل کا ترجمان بنایا۔ ان کی تصانیف نے فنی دلکشی اور معنوی گہرائی کے اعتبار سے اردو ڈرامے کی سطح کو بلند کیا۔ موجودہ دور میں نشری ڈرامے کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ منٹو نے خاص طور پر نشری ڈرامے لکھے۔ ''جنازے'' ان کے ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ نفسیاتی بصیرت، لطیف، ظرافت اور تاثرات کی سدت منٹو کے ڈراموں کے نمایاں اوصاف ہیں۔ راجندر سنگھ بیدی نے اپنے ڈراموں میں انسان دوستی اور دردمندی کے احساسات کو جگہ دی۔ ''سات کھیل'' ان کے نشری ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ کرشن چندر کے نشری ڈراموں کا مجموعہ ''دروازہ'' ہے ان کے علاوہ عصمت اور مرزا ادیب نے بھی ڈرامے لکھے۔ دور حاضر میں پروفیسر محمد حسن نے اردو ڈرامے کو نئی معنویت اور فنی لطافت بخشی ہے۔ ان کے ڈراموں میں رومانیت اور حقیقت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ معاشرتی مسائل اور روزمرہ کی زندگی پر ان کی گہری نظر ہے۔ جس کے سبب ان کے ڈرامے فنی اعتبار سے بڑے کامیاب ہیں۔ ان ڈرامہ نگاروں کے علاوہ اوپیندر ناتھ اشک، حبیب تنویر، ریوتی شرن شرما، کرتار سنگھ دگل، ابراہیم یوسف، حاجرہ مسرور، ناصر شمسی، انور سجاد، وغیرہ قابل قدر ڈرامہ نگار ہیں۔

اِندر سبھا

اندر سبھا سید آغا حسین امانت لکھنوی کا ڈرامہ ہے۔ جو ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا اور اسی سال اسٹیج کیا گیا۔ اس ڈرامے میں یوروپی اوپیرا کے طرز پر شاعری اور موسیقی کی اصناف کو جودت طبع سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کی بڑی خوبی طربیہ اور غنائی مزاج ہے۔ گمان غالب ہے کہ لکھنؤ میں لکھے گئے ڈراموں نے بمبئی کے سیٹھوں کو راجہ گوپی چند کا ڈرامہ اردو میں پیش کرنے کی طرف مائل کیا ہوگا اور یہیں سے امانت نے اندر سبھا لکھنے کی تحریک حاصل کی ہوگی، امانت لکھنؤ میں پیدا ہوئے عین جوانی میں بیماری سے زبان بند ہوگئی زیارت کربلا کے بعد ان کی قوت گویائی واپس آئی۔ انہوں نے مرثیہ غزل اور واسوخت، بھی لکھے ہیں۔

لیکن انہیں شہرت دوام اندر سبھا سے ملی۔ اس ڈرامہ میں راجہ اندر کے دربار کی سبز پری اور شہزادہ گلفام کی محبت تمثیلی انداز میں پیش کی گئی ہے۔ گلفام راجہ اندر کے دربار میں چوری چھپے داخل ہوتا ہے اور گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ سبز پری جوگن کے روپ میں راجہ کے دربار میں اپنی نغمہ سرائی سے راجہ کو خوش کرتی اور دلی مراد گلفام کی رہائی کی صورت میں پاتی ہے۔

اس قصے کے اجزائے ترکیبی میں سحر البیان اور گلزار نسیم کے عناصر موجود ہیں، پلاٹ مستعار اور کردار چربہ ہیں، ڈرامہ میں حقیقی زندگی کی حرارت بھی موجود نہیں، وصل کے آخری منظر کے سوا کہیں جذباتی تعلق نظر نہیں آتا۔ لیکن یہ ڈرامہ چونکہ اس صنف کے ابتدائی دور میں لکھا گیا تھا اس لیے اسے کامیابی حاصل ہوئی، اندر سبھا سے لکھنوی مزاج کی تماشہ پسندی اور لہو و لعب میں دلچسپی کا پورا احوال سامنے آتا ہے۔ اس کی ہمہ گیر مقبولیت کا راز ایک طرف زبان کی صفائی، شیرینی اور اس کے شاعرانہ حسن میں پنہاں ہے۔ اور دوسری طرف اس واقعہ میں مصنف نے رقص و موسیقی کی پسندیدہ طرز سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تشکیل میں ایرانی اور ہندوستانی دیومالا کا لطیف امتزاج ملتا ہے۔

سلور کنگ

ڈرامہ سلور کنگ آغا حشر کاشمیری کا ڈرامہ ہے۔ ان کا پہلا ڈرامہ مرید شک تھا۔ ابتداء میں انہوں نے متعدد ڈرامے لکھے۔ لیکن بہت جلد اپنا اسلوب فن تراش لیا اور عصری تقاضوں کے مطابق ڈرامے لکھے۔ سفید خون، صید ہوس، بلوا منگل، دل کی پیاس، رستم سہراب، ترکی حور اور عورت کا پیار، ان کے چند ممتاز ڈراموں میں شمار ہوتے ہیں ان کے ڈراموں میں نیک پروین اور پاکدامن کو فلمی صورت بھی دی گئی۔ آغا حشر نے پہلی بار ڈرامے کو فن کی طرف موڑا، ملک کے معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا اور زبان کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ عوام کے مذاق اور معیار کو بلند کرنے کی بھی کوشش کی۔ آغا حشر نے اپنے ڈرامے کو روایتی خش و خاشاک سے پاک کیا۔ اور نئے ڈرامائی مدراج تلاش کئے اور کرداروں کو ان کی داخلی خوبیوں سے اجاگر کیا۔ یہی سبب ہے کہ آغا حشر کو اردو ڈرامے کا شیکسپیئر کہا جاتا ہے۔ آغا حشر کے ڈرامے اردو ڈرامہ نگاری کی وہ روشنی ہے جو اپنے عہد کو تابانی عطا کرتی ہے۔ آغا حشر نے ڈرامے کے میڈیم کو اصلاحی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔

انار کلی

امتیاز علی تاج کا ڈرامہ انار کلی ایک ایسے تراشیدہ فن پارے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی فنی آرائش میں بہت محنت صرف کی گئی تھی۔ یہ ڈرامہ ۱۹۲۲ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۳۱ء میں منظر عام پر آیا۔ امتیاز علی تاج نے اس کے علاوہ پرتھوی راج، پورس، دلہن، رتناولی، قسمت، قرطبہ کا قاضی، جیسے ڈرامے بھی لکھے ہیں یہ ڈرامہ انار کلی گرچہ تاریخ کے موضوع سے وابستہ ہے لیکن اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔ اور نہ اس میں تاریخی صداقت ہی موجود ہے۔ یہ ڈرامہ جہانگیر اور انار کلی کے فرضی معاشقے پر مبنی ہے۔ اکبر اعظم کا ردِ عمل، دلآرام کی سازش، مہارانی کی ممتا اور انار کلی کی قربانی اس میں ڈرامائی تاثر اور گہرائی پیدا کرتے ہیں۔ گرچہ یہ ڈرامہ اسٹیج پر کامیابی سے پیش نہ کیا جاسکا تاہم اس کی ادبی اہمیت کو ہمیشہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس ڈرامہ کی ایک اہم فنی خوبی یہ ہے کہ اس میں شروع سے آخر تک وحدت عمل کا عنصر قائم رہتا ہے۔ چھوٹے بڑے اہم اور غیر اہم تمام واقعات ڈرامے کے بنیادی قصے سے وابستہ ہیں اور اس کے حسن واثر میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اس میں تاثر کی وحدت نمایاں ہو گئی ہے۔ واقعات یکے بعد دیگرے تیزی سے رونما ہوتے ہیں اور ڈرامے کا قصہ ایک فطری تسلسل کے ساتھ نقطۂ عروج پر بڑھتا ہے۔ اس مرحلے پر ڈرامے کا تصادم اور تجسس بے حد شدید اور تیز ہو جاتا ہے جو رقص و نغمہ کی محفل کے انعقاد کا ایک خاص سبب بنتا ہے۔ اس موقع پر تمام سازشیں اور سرگرمیاں ایک فیصلہ کن موڑ اختیار کرتی ہیں۔ اس ڈرامے کی ایک خوبی مکالمہ نگاری بھی ہے۔ اس ڈرامہ میں مکالموں کی جاندار تراش و خراش اور زبان و بیان کی بے تکلفی اور سادگی نے بھی قصے کی جاذبیت بڑھاتی ہے۔ اس ڈرامے میں اکبر، سلیم، اور انار کلی تینوں کا المیہ پیش کیا گیا ہے۔

OO

تنقید

اصول تنقید سے مراد ادبی تنقید ہے۔ فن پارے کو دو پہلوؤں سے دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ (۱) اس میں کیا پیش کیا گیا ہے۔ (۲) کس طرح پیش کیا گیا ہے۔ اس کیا اور کیسے؟ کے لیے ہماری تنقید میں دو نام موجود ہیں۔ مواد اور ہیئت، فن پارے کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے نقاد انہیں الگ الگ کر کے دیکھتے ہیں۔

ادبی تنقید کا پہلا کام یہ دیکھنا ہے کہ فن پارے میں جو تجربہ پیش کیا گیا ہے یا جو جذبہ یا خیال پیش کیا ہے اس کی کیا اہمیت ہے۔ ادبی تنقید کا اگلا قدم یہ دیکھنا ہے کہ فنکار اپنے تجربے کو موثر انداز میں پیش کر سکا ہے یا نہیں۔

ادبی تنقید کا مقصد ایسے اصولوں اور زاویوں کو مدون کرنا ہوتا ہے جن کی مدد سے ادبی نگارشات کے حسن و قبح کے درجات متعین کئے جاسکیں۔ یہ اس معرفت اور بصیرت کا نام ہے جس کی بنیاد پر شعر و ادب کی تفسیر و تفہیم قائم ہوتی ہے۔ ادبی تنقید فن کار کے فکری ارتقاء کا سراغ لگاتے ہوئے ادب پارے کے محاسن و مصائب کا تجزیہ کرتی ہے ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتی ہے جس کے لیے نقاد فنکار کی سوانح، ذہنی ساخت اور افتاد مزاج سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ کہ فنکار نے کس ماحول میں پرورش پائی ہے اور اپنی تصنیف میں وہ جس معاشرے کو پیش کر رہا ہے وہ اس کی نجی زندگی سے کس حد تک مناسبت رکھتا ہے۔ تنقید کا مقصد محض تعریف یا تنقیص نہیں ہے بلکہ ادبی شہ پارے کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں کو دیانت داری سے بیان کر دینا ہے۔ تخلیق کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے تین عناصر ہیں۔ (۱) تشریح یا تعارف (۲) حکم یا فیصلہ (۳) ترتیب یا تعین قدر۔

ہر دور میں ادب کو پرکھنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کے معیار بدلتے رہے ہیں۔ کبھی خارجی محاسن و مصائب تلاش کیے گئے، عروض و قواعد حرف و نحو، اور فصاحت و بلاغت پر زور دیا گیا تو کبھی ادبی فن پارے کی زیریں لہروں کی چھان بین پر توجہ صرف کی گئی۔ بعضوں نے ادب کو محض دل بہلانے کی چیز، تفریح و انبساط کا ذریعہ سمجھا۔ تو کچھ لوگوں کا تصور یہ رہا کہ

ادب زندگی کا آئینہ ہے۔ بعض اس کا تعلق نفسیاتی خواہشوں اور ذہنی الجھنوں سے جوڑتے ہیں۔ بعض اس کے تمام تانے بانے معاشی، سیاسی اور سماجی حالات سے جوڑتے ہیں۔ بہر حال نئے اصولوں اور پرانے نظریوں کی کش مکش اور متضاد پہلو برابر رواں دواں رہے ہیں اور ان ہی مثبت اور منفی پہلوؤں کے تحت قوت نقد و انتقاد کو فروغ ملا ہے۔ بنیادی طور پر تنقید کی دو شقیں بتائی گئی ہیں۔ نظریاتی اور عملی، نظریاتی تنقید اصولوں سے بحث کرتی ہے۔ اور عملی تنقید میں ان اصولوں کے پیش نظر تخلیقی شہ پارے کو پرکھا جاتا ہے۔

تنقید کے لغوی معنی کسی چیز کی چھان پھٹک اور جانچ پڑتال ہے۔ ادبی اصطلاح میں تنقید، بے لاگ جانچ پڑتال اور امتیازیات کے جذبے سے بلند ہو کر تعین قدر و مقام کا نام ہے۔ تنقید تحلیل و تجربہ، ترجمانی و تفسیر، ادراک حقیقت، اور ادبی محاسبہ کا نام ہے۔ مجموعی طور پر تنقید ادب کی ماہیت اس کے ماخذ و محرکات اور اثرات کا سراغ لگا کر خوبیوں اور خامیوں کے پیش نظر تجزیہ، تحلیل، اور معروضی استدلال کے ساتھ ادب کی تاریخ میں اس کے مقام متعین کرتی ہے۔

تنقید کے سلسلے سے بعض مقولے :

۱۔ تنقید ہماری زندگی کے لیے اتنی ہی ناگزیر ہے جتنی سانس۔ (ٹی ایس ایلیٹ)
۲۔ تنقید نگار وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو ادب اور آرٹ میں ناکامیابی ہوتی ہے۔ (ڈزریلی)
۳۔ تنقید نگار کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دماغ میں کئی دماغوں کی صلاحیت یکجا ہوں۔ (لوئس گازی مین)
۴۔ نقاد ایک ایسی مکھی ہے جو گھوڑے کو ہل چلانے سے روکتی ہے۔ (چیخوف)
۵۔ تنقید ادب کی زلفوں کی جوں ہے۔ (ٹینی سن)
۶۔ تنقید ادب کے جسم پر کوڑھ ہے۔ (فلا بیر)
۷۔ تنقید اقلیدس کا خیالی نقطہ یا معشوق کی موہوم کمر ہے۔ (کلیم الدین احمد)
۸۔ میں تنقید نگار کی بڑی عزت کرتا ہوں اس لیے کہ اسے شعر و ادب کا ضمیر سمجھتا ہوں۔ (رشید احمد صدیقی)

تنقید کا ارتقاء

اردو میں تنقید کی ابتداء یوں تو حالی کے مقدمہ شعر و شاعری سے ہوتی ہے لیکن اس کے ابتدائی نقوش تذکروں میں بھی نظر آتے ہیں۔ بالخصوص محمد حسین آزاد کی آب حیات

(۱۸۸۰ء) میں۔ حالی نے مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اردو تنقید کی ابتداء کی تو دوسری طرف اسی عہد میں شبلی نے شعر العجم اور موازنۂ انیس و دبیر لکھ کر تنقید نگاری کو فروغ دیا۔ حالی اور شبلی کی تصانیف میں مغرب و مشرق دونوں کے تنقیدی اصولوں سے استفادہ ملتا ہے اور ان میں عملی اور نظریاتی دونوں تنقیدیں پیش کی گئی ہیں۔ حالی اور شبلی کے بعد وحید الدین سلیم کے "افادات" اور امداد امام اثر کی "کاشف الحقائق" میں تنقید کے نمونے ملتے ہیں۔ ان ناقدین کے بعد اردو تنقید کو فروغ دینے والوں میں برج موہن دتاتریہ کیفی ("منشورات، کیفیہ") محمود شیرانی (تنقید) مسعود حسن رضوی ادیب (ہماری شاعری) حامد حسن قادری (تاریخ داستان اردو) عبد القادر سروری (جدید اردو شاعری) نیاز فتح پوری (انتقادیات) اہم ہیں۔

اس عہد کے تنقید نگاروں میں سید سلیمان ندوی (نقش سلیمانی) عبد الرحمٰن بجنوری (محاسن کلام غالب، باقیات بجنوری) محی الدین قادری زور (روح تنقید اور اردو کے اسالیب بیان) رشید احمد صدیقی (طنزیات و مضحکات)، اور شیخ محمد اکرام (غالب نامہ، شبلی نامہ) کو بھی اردو تنقید کے ارتقاء میں اہمیت حاصل ہے۔

شبلی اور حالی کے فوراً بعد اردو تنقید کو اعلیٰ معیار سے روشناس کرانے والوں میں مولوی عبد الحق کا نام سر فہرست ہے۔ انہوں نے اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاء اکرام کا حصہ، داستان باغ و بہار، میر تقی میر، مسدس حالی، میں عالمانہ تنقید کا نمونہ پیش کیا۔

اردو تنقید کو آگے بڑھانے والوں میں محمد حسن عسکری (تاریخ ادب اردو) اور اعجاز حسین (مختصر تاریخ ادب اردو، اور نئے ادبی رجحانات) یوسف حسین خاں (روح اقبال، اردو غزل، غالب اور آہنگ غالب، حافظ اور اقبال) کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس دور میں ادبی تنقید نے بڑی پیش قدمیاں کیں اور ایسے ناقدین سامنے آئے جن کی کاوشوں سے اردو تنقید کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ گرچہ زیادہ تر میلان مغربی نصب العین کی طرف رہا اس سلسلے میں کلیم الدین احمد نے سب سے آگے بڑھ کر پیروئی مغرب کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اردو شاعری پر ایک نظر اور اردو تنقید پر ایک نظر لکھ کر تنقید کے دامن کو وسیع کیا۔ ان کے بعد آل احمد سرور نے مشرق و مغرب کے ادبی تصورات سے مرکب ایک متوازن انداز تنقید پیش کیا۔ تنقیدی اشارے، نئے پرانے چراغ، تنقید کیا ہے، ادب اور نظریہ، ان کی تنقید کے بہترین نمونے ہیں۔ احتشام حسین اردو ادب میں اشتراکی تنقید نگاری کے امام ہیں لیکن ان کی تنقید میں محض مارکسی

جدلیات واقتصادیات کی تبلیغ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں معروف تہذیبی اقدار کے ساتھ ساتھ فنی تقاضوں کا شعور بھی نمایاں ہے۔ تنقیدی جائزے، روایت اور بغاوت، تنقید اور عملی تنقید، جیسے مجموعوں کے مضامین ان کی تنقیدی بصیرت پر دلالت کرتے ہیں۔ احتشام حسین سے پہلے اختر حسین رائے پوری نے "ادب اور زندگی" کے رشتے پر اشتراکی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی تھی۔ اور ان سے قبل ادب اور زندگی پر مجنوں گورکھپوری کے خیالات نے سماجی حقیقت نگاری پر مشتمل 'سائنٹفک' کہلانے والی تنقید نگاری کی داغ بیل ڈالی تھی۔ احتشام حسین کے معاصرین میں ممتاز حسین کی تنقید نگاری فلسفہ و تاریخ کے مارکسی نقطۂ نظر سے معروف ہے اس سلسلے میں ان کے مجموعہ مضامین "نقد حیات" بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ "نئی قدریں" "ادبی مسائل" "نئے تنقیدی گوشے" اور "ادب و شعور" بھی قابل ذکر ہیں۔

اس دور میں جن لوگوں نے ادب کا صاف ستھرا، جامع و متوازن مطالعہ بالیدہ شعور، اور عمدہ ذوق کے ساتھ کیا ان میں ایک نمایاں اور اہم نام وقار عظیم کا بھی ہے۔ جنہوں نے نیا افسانہ، اور داستان سے افسانے تک لکھ کر فکر انگیز خیالات پیش کیے وقار عظیم کے ساتھ ساتھ اختر اورینوی عندلیب شادانی، عزیز احمد، اور خواجہ احمد فاروقی، کو بھی اس دور میں اہمیت حاصل ہے۔

تاثراتی و جمالیاتی کہی جانے والی تنقید کو مقبولیت عطا کرنے والوں میں فراق گورکھپوری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ "اردو کی عشقیہ شاعری" میں اس کے اچھے نمونے پیش کیے ہیں۔ عابد علی نے "شعر اقبال" "اسلوب اور انتقاد" لکھ کر عالمانہ تنقید نگاری کا ثبوت دیا۔ اردو میں نفسیاتی تنقید کو فروغ دینے والوں میں شیخ محمد اکرام، شبیہ الحسن، وزیر آغا، اور سلیم احمد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

ان ناقدین کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ناقد ہیں جن کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ ان ناقدین نے مشرق و مغرب کے تنقیدی نظریات کو سامنے رکھ کر جو مطالعہ پیش کیا وہ اردو تنقید کو ایک شان عطا کرتا ہے۔

تذکروں کی تنقید

تذکرہ کی روایت بہت قدیم ہے۔ غالباً یونان سے لی گئی ہے۔ یونان سے یہ روایت عربی کو منتقل ہوئی اور پھر فارسی زبان کے ذریعے اردو تک آئی۔ ابتداء میں شعروں کے

تذکرے لکھے گئے پھر شعراء کے فقہاء اور صوفیوں کے اکابر علم اور احباب فن کے تذکرے لکھے گئے۔ "تذکرۃ المحدثین" "تذکرۃ المتعالمین" "سنقیات الصوفیاء" جیسے تذکرے علمی روایت اور اس کے تسلسل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تذکرہ کا تاریخ سے گہرا رشتہ ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ افراد کی بھی تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ ادوار کی بھی اور تحریکات کی بھی۔ شعرائے اردو کے سلسلے میں جو تذکرے لکھے گئے ان میں ادوار کی ترتیب قائم کی گئی۔ یہ اس طور پر کہ مختلف زبانوں کے اہل فن کو ایک خاص دور میں رکھ لیا گیا اور پھر طبقات کی تقسیم زمانہ بہ زمانہ ہوتی رہی، "مخزن نکات" (قائم) تذکرہ شعرائے اردو (میر حسن) تذکرۂ جلوہ خضر (سفیر بلگرامی) اس نوعیت کے تذکرے ہیں جن میں تذکرے کے ساتھ ایک گوناں تاریخی حیثیت کا تصور بھی موجود ہے۔ زیادہ تذکرے حروف ہجہ کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ تذکرہ نگاری کا بنیادی مقصد اچھے اور پسندیدہ اشعار کی فراہمی رہا ہے ایسے تذکروں کو ہم مختلف شعراء کے قدیم انتخابات سے وابستہ کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر شاعر کا کوئی اچھا انتخاب اس میں مل جائے۔

موجودہ دور میں مالک رام نے تذکرۃ المعاصرین مرتب کیا لیکن شعراء کے تذکرے افسانہ نگاروں کے تذکرے، ناول نگاروں کے تذکرے، محققین اور ناقدین کے تذکرے مرتب نہیں ہوئے۔ غالباً اب یہ رجحان پسندیدہ نہیں رہا اردو میں نثر نگاروں کے تذکرے بھی نہیں ملتے باستثناء خواجہ عبدالروف عشرت لکھنوی کے تذکرے "آب بقا" کے علاوہ اس میں اردو کے اہم نثر نگاروں کا تذکرہ موجود ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد جو اردو کے "منفرد نثر نگار اور انشاء پرداز ہیں، نے تذکرہ آب حیات قلم بند کیا۔ اس میں شمالی ہند میں اردو شاعری کی اپنے دور تک ادواری تاریخ پیش کی ہے اور منتخب شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔ اردو میں شعر و سخن کے تذکرے اور دربار و خانقاہ کی شعر و شعور سے دلچسپی کافی عام رہی۔ اور ہماری زبان نے ارتقاء کے ابتدائی مراحل دو تین صدیوں میں پورے کئے۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ وہاں شعرائے اردو کا کوئی تذکرہ میر اور قائم کے زمانے تک نہیں لکھا گیا۔

شمالی ہند بالخصوص دہلی میں اول کس نے تذکرہ لکھا اس کا فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ میر قائم اور گردیزی (تذکرۂ ریختہ گویان) نے اردو شعراء کے تذکرے لکھ کر ایک نئے دور کا آغاز ضرور کیا۔ میر نے اپنے تذکرہ میں غالباً دانستہ یہ بات

لکھی ہے کہ اس سے پیشتر کوئی شخص اس فن کا اردو شعراء کے سلسلے میں موجد نہیں ہے اور یہ کام پہلے پہل وہ کر رہے ہیں۔

میر اور قائم کے زمانے میں زیادہ تر تذکرے لکھے گئے اور ان کا دائرہ شعری حلقوں تک محدود تھا۔ شعرائے دکن کا ذکر برائے نام ہی آتا تھا۔ بعض ایسے تذکرے بھی لکھے گئے جو کسی صنف شعر کو لے کر مرتب کئے گئے جیسے عبدالغفور نساخ کا تذکرہ جو منتخب قطعات پر مشتمل ہے اور جسے "قطعہ منتخبہ" کا نام دیا گیا ہے۔ ان تذکروں میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، ان میں تنقیدی اشارے ملتے ہیں۔ جسے ہم شخصی تنقید سے موسوم کر سکتے ہیں۔ جب ہم تذکروں میں موجود تنقیدی مواد کی بات کرتے ہیں تو ہماری مراد اس مجموعی تاثر سے ہوتی ہے جو ہم تذکروں کی مجموعی روش سے اخذ کرتے ہیں۔ اور اس جز کی مدد سے کل تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان تذکروں کا جابجا انتخاب گرچہ آج کے اعتبار سے شاعر کی بہترین کارکردگی کو نہیں پیش کرتے۔ اور اس کی فنی دسترس وہ تخلیقی حسیت کی نمائندگی بھی اس سے نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود تذکرے اپنی فنی حدود کے ساتھ قدیم شعراء کے مطالعہ میں ان کے ذاتی حالات اور عصری ماحول کی بازیافتگی میں بہت کچھ مدد کرتے ہیں۔ اکثر تذکروں کی زبان جو اٹھارہویں صدی کی اول تک لکھے گئے۔ فارسی ہے اگرچہ موضوع گفتگو اردو شعراء اور ان کی شاعری اور اس کے دستور سے تعلق رکھتا ہے۔

تذکرہ نگاروں نے شعراء کے کلام پر جو رائے دی ہیں ان کا دارومدار چند صفات یا اصطلاحات پر ہے۔ صفات اور اصطلاحات کے پردے میں رائے زنی کرنے کے علاوہ بعض شعراء نے اپنے کلام میں ایک آدھ تذکرہ نگاروں نے بطور تمہید یا خاتمہ کتاب یا بعض اساتذہ نے ادبی چشمکوں اور مناقشوں کے سلسلے میں ایسی باتیں بھی کہہ دی ہیں۔ جن سے ان کے اصول فن پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہے۔ شعراء اردو کے ان تذکروں سے تنقیدی اصول کا اخذ کرنا قریب قریب ناممکن ہے کیونکہ ان تذکروں سے شعراء کے کلام کے نمونے زیادہ ہیں۔ اور ان کے بارے میں جو لکھا گیا ہے وہ چند سطروں سے زیادہ نہیں۔ لیکن اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان تذکروں سے اردو شعراء کی تاریخ، اس کی تہذیبی، لسانی اور ادبی ماحول کی بازیافت اور دیگر اہم حقائق دریافت کئے جاسکتے ہیں۔

چند اہم تذکرۂ شعرائے اردو:

فارسی:	نکات الشعراء	میر تقی میر	۱۷۵۲ء
	ریختہ گویان	فتح حسین گردیزی	۱۷۵۳ء
	چمنستان شعراء	قدرت اللہ شوق	۱۷۷۴ء
	تذکرہ شعرائے اردو	میر حسن دہلوی	۸۰-۱۷۷۴ء
	تذکرہ شورش	شورش	۱۷۷۸ء
	گلزار ابراہیم	ابراہیم خلیل	۱۷۸۴ء
	تذکرہ ہندی	غلام ہمدانی مصحفی	۱۷۹۴ء
	گلشن ہند	مرزا علی لطف	۱۸۰۱ء
	گلشن بے خار	مصطفیٰ خاں شیفتہ	۱۸۳۴ء
اُردو:	انتخاب دواوین	امام بخش صہبائی	۱۸۴۴ء
	سخن شعراء	عبدالغفور نساخ	۱۸۶۴ء
	انتخاب یادگار	امیر مینائی	۱۸۷۳ء
	آب حیات	محمد حسین آزاد	۱۸۸۰ء

مارکسی تنقید

کارل مارکس اور اینگلز نے ادب کے قدیم نظریوں کو رد کر کے مارکسی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ ان دونوں کا فلسفہ مادیت پر قائم تھا۔ انہوں نے ادب اور آرٹ کے سماجی کردار پر زور دیا اور ادب کی تخلیق کو "سماجی فعل" سے تعبیر کیا۔ مارکسی خیالات کے حامی ادب میں حقیقت پسندی، اجتماعیت، سائنٹفک انداز فکر اور روح عصر کی ترجمانی کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ مارکسیت کے تحت جو تنقیدی نظریہ ابھرا اس کو "انقلابی تنقید کا نظریہ" بھی کہا گیا۔ کیونکہ مارکس اور اینگلز نے انقلابی ادب کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس میں بورژوا ذہنیت اور بورژوا ادب سے بیزاری کا اظہار کیا گیا اور عوامی ادب (Proletarian Literature) کا نعرہ بلند کیا گیا۔

انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ادب نظامِ تمدن کے لیے "نشر و اشاعت کا ذریعہ ہو۔" اجتماعی شعور اور جمہوری ذہنیت کا نمائندہ ہو۔ مارکس نے پہلی بار اس تصویر پر زور دیا کہ سماجی اور سیاسی رجحانات، طریقۂ پیداوار اور مادی وسائل سے متعین ہوتے ہیں۔ مارکسی ادب کے علمبرداروں نے مادے کے متحرک بالذات اور ارتقاء پذیر ہونے پر زور دیا اور بتایا کہ آرٹ داخلی اور خارجی عناصر کے عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہے۔ مارکس کے "مادی جدلیت" کے تصور میں اشیاء کو تصورات اور مفروضات سے علیحدہ وجود قرار دیا گیا ہے اور ادب، خیال اور شعور سب کے سب مادی حقیقتوں کے زیر اثر ہیں۔ مادے کو اولیت دی گئی ہے اور خیال کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ مارکسی تنقید میں کسی ادب کو جانچتے وقت مادی حالات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ مارکسی نقاد یہ دیکھتا ہے کوئی ادبی تخلیق سماجی ارتقا کی کس منزل کی نمائندگی کرتی ہے۔ وہ انسانی فکر و شعور کو اس کی تحقیقی صلاحیت کو کس حد تک اجاگر کرتی ہے۔ کوئی ادیب کہاں تک مجلس ترتیب اور ثقافتی ارتقاء میں اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مارکسی تنقید ادب کو اس کے مخصوص دور کی طبقاتی ترتیب اور ثقافتی پس منظر میں جانچتی ہے۔ کارل مارکس کا نظریہ ایک طرح سے جرمن فلسفیوں کے ماورائیت (Franscendentalism) کے ردعمل کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ مارکس کہتا ہے کہ زندگی کی ابتداء تصور سے نہیں بلکہ وجود سے ہوتی ہے۔ مارکسی تنقید کے حامیوں نے تنقید کے معیار قائم کیے۔ طبقاتی کشمکش، معاشی عوامل اور سماج کے مادی وسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب وہ کسی فن پارے کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں اصلیت پسندی سماجی حقیقت نگاری، اجتماعیت، افادیت، خارجیت، عقلیت اور روح عصر کے جوہر کو تلاش کرتے ہیں۔ اردو میں ان کے نمائندہ نقاد اختر رائے پوری، احتشام حسین، ممتاز حسین اور قمر رئیس ہیں۔

نفسیاتی تنقید

نقادوں کا ایک گروہ فنکار کی شخصیت اور نفسیاتی میلانات پر تنقید کی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رچرڈ اور اگڈن نے نفسیاتی تنقید سے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ نفسیاتی تنقید کے حامی فنکار کے کردار "اس کی شخصیت" اور "ذہن" کا پوری طرح تجزیہ کرکے نتائج برآمد کرنے کو حقیقی اور بامعنی تنقید بتاتے ہیں۔ نفسیاتی تنقید کی ایک سے زیادہ

منزلیں ہو سکتی ہیں۔ کوئی سوانح عمری کی روشنی میں تخلیقات کو پرکھنے پر زور دیتا ہے۔ کوئی تحلیل نفسی کے سہارے شعور اور لاشعور کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس گروہ کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ شخصیت کے بعض اہم اور بنیادی جوہر لاشعور میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور شکلیں بدل بدل کر فن میں سرایت کرتے رہتے ہیں۔ تحلیل نفسی کا بانی فرائیڈ ہے۔ اس نے انسانی ذہن کو دو طبقوں میں تقسیم کیا...... شعور اور لاشعور۔ ان دونوں کے درمیان جو عبوری طبقہ ہے اس کو تحت الشعور کے نام سے موسوم کیا۔ اس کا خیال ہے کہ وہ خواہشات اور نفسی تحریکات جسے شعوری سطح پر مروجہ اقدار اور سماجی قوانین کی پابندی کے احساس کی بنا پر ہم رد کر دیتے ہیں وہ لاشعور میں ڈوب جاتی ہیں۔ جس کی نوعیت عموماً غیر مہذب، خود غرضانہ اور جنسی ہوتی ہے۔ یہ لاشعوری قوتیں اپنے اظہار کے لیے بے چین رہتی ہیں۔ جس پر شعوری قوتیں روک لگاتی ہیں۔ اس روک ٹوک کے نتیجے میں لاشعوری مواد اپنا روپ بدل بدل کر ظاہر ہوتی ہیں۔ اس بنیاد پر فرائیڈ نے ادب اور نفسیات کے رشتے جوڑنے کی کوشش کی۔ اس طرح اس کا ماننا ہے کہ ادب کی پرکھ کے لیے تحلیل نفسی اور استفادہ کرنا ضروری ہے تاکہ فنکار کے ذہن اور شخصیت کو سمجھ سکے۔ تحلیل نفسی نے بعض چھپی ہوئی طاقتوں کا پتا ضرور لگایا ہے لیکن صرف اسی کے سہارے شخصیت اور ذہن کو سمجھنا ممکن نہیں۔ فرائیڈ کے دو شاگردوں ایڈلر اور یونگ نے اس کے نظریات کو وسعت دی۔ ایڈلر نے احساس کمتری اور احساس برتری کو بھی انسانی ذہن اور شخصیت کو سمجھنے میں معاون بتایا۔ اس طرح ایڈلر معاشرے کی اہمیت کا قائل ہے۔ یونگ شخصی لاشعور کے علاوہ "اجتماعی لاشعور" کے تصور کا بھی قائل ہے۔ اس نے انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ داخلیت پسند (Introvert) اور خارجیت پسند (Extrovert)۔ اس طرح یونگ انسانی ذہن کو ایک متحرک قوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اردو میں اس کے نمائندہ نقاد مرزا ہادی رسوا، میراجی، ریاض احمد، شبیہ الحسن، وزیر آغا، سلیم احمد ہیں۔

ہیئتی تنقید

ہر فن پارے کے دو ہیئتیں ہوتی ہیں ایک خارجی اور دوسرا داخلی۔ خارجی ہیئت فن پارے کا مشینی ڈھانچہ ہوتا ہے۔ یعنی فن پارہ غزل ہے یا نظم اگر غزل ہے تو مردّف ہے یا غیر

مردّف اگر نظم ہے تو معراء نظم ہے یا پابند نظم؟ اس طرح کے سوالات فن پارے کی خارجی ہیئتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس طرح خارجی ہیئت ہمارے فن پارے کے عام معنوی یا تاثراتی حدود کو متعین کر دیتی ہے۔ اور یہ بھی بتادیتی ہے کہ ہم فن پارے کا مطالعہ کس سطح پر اور کس نقطۂ نظر سے کریں۔ لیکن خارجی ہیئت فن پارے کے اصل معنی کا انکشاف نہیں کرتی۔ داخلی ہیئت ہمیں اصل معنی کی طرف لے جاتی ہے۔ داخلی ہیئت سے مراد وہ مباحثہ ہے جو فن پارے کے جسم میں روح کی طرح پنہاں رہتا ہے۔ اور جو الفاظ کے ذریعے اپنی شکل ظاہر کرتا ہے اور مختلف منازل و سدراہ سے گزرتا ہوا آخر میں کسی منظم ترکیب یا حل تک پہنچتا ہے۔ داخلی ہیئت فن پارے کی اس مکمل معنوی شکل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے فن کار اپنے تجربے کو ظاہر کرتا ہے۔ لہذا داخلی ہیئت فن پارے کے موضوع اور خارجی شکل میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ اس طرح موضوع کا تعلق تجربے سے اور فن پارہ اس تجربے کا وہ حصہ بن جاتا ہے جو نظم یا کسی اور فن پارے کی شکل میں ظاہر ہے۔ اس محصل موضوع اور تجربہ کے درمیان تکنیک یا خارجی ہیئت پل کا کام کرتی ہے۔ اس طرح موضوع وہی ہے جو ہیئت بن کر ظاہر ہوا اور ہیئت وہی جو فنکار نے محسوس کیا تھا۔ فن کی ہیئت کو اس کی اندرونی زندگی اور اصل معنی سمجھنے کا نظریہ نیا نہیں ہے کولرج اور دوسرے رومانی نقادوں نے ہیئت اور موضوع کو ہم آہنگ یا ہم معنی کہنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن فن کی ہیئتی تنقید کا عصری تصور رچرڈس اور اس کے بعد کچھ امریکی نقادوں نے واضح کیا۔ گرچہ رچرڈس کے بیشتر تصورات کو ہیئتی نقادوں نے مسترد کر دیا لیکن اس کے نظریات سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ فن کے اصل معنی تک پہنچنے کے لیے فن کار کے حالات زندگی، اس کے محرکات، اس کا ماحول، معاشرت اور نفسیاتی کیفیات کا مطالعہ غیر ضروری اور بے معنی ہے۔ ہیئتی تنقید کا یہ ابتدائی تصور تھا جس نے تاریخی تنقید کے اصولوں کو چیلنج دیا۔ ہیئتی تنقید کا واضح تصور جان کرورینسم نے پیش کیا۔ اس دبستان تنقید میں بنیادی طور پر الفاظ، معنی، اصطلاح لفظوں کی ترتیب اور اس فن پارے میں بیان کردہ داخلی ضروریات کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ ہیئتی ناقد انہی اصولوں کی روشنی میں ادب پارے کے داخلی مزاج اور اس کی خصوصیات کو نچوڑ کر ادب پارے کی اہمیت اور مقام کو واضح کرتا ہے۔

اردو ادب میں ہیئتی تنقید کرنے والے بہت کم نقاد ہیں۔ گوپی چند نارنگ، شمس الرحمن فاروقی، مغنی تبسم اور مرزا خلیل احمد کے یہاں اس کے نقوش ملتے ہیں۔

اسلوبیاتی تنقید

بیسویں صدی کے وسط میں کچھ ایسے نقاد سامنے آئے جنہوں نے فن پارے کی اہمیت کو تسلیم کیا اور اس کے داخلی تنظیم اور لسانی ساخت کے مطالعے پر اپنی تنقید کی بنیاد رکھی جسے نئی تنقید یا عملی تنقید کا نام دیا گیا۔ ایسے نقادوں میں آئی اے رچرڈز، ولیم امپسن، رینے ویلک اور آسٹن وارن کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

بیسویں صدی میں لسانیات کے فروغ کے ساتھ اس علم کی مختلف شاخیں بھی قائم ہوئیں اور اس کا اطلاق مختلف مضامین کے مطالعے میں کیا جانے لگا۔ ادب کے مطالعے میں لسانیات کے اطلاق کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ اس نے بہت جلد ایک شعبۂ علم کی حیثیت اختیار کر لی جسے اسلوبیات کہتے ہیں۔ اسلوبیات یا اسلوبیاتی تنقید زبان اور اس کی ساخت کے حوالے سے ادب کے مطالعے کا نام ہے۔ اسلوبیاتی تنقید میں ادبی زبان کا تجزیہ یا ادب میں زبان کے استعمال کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے اور فن پارے کے اسلوبی خصائص (Style-Features) کا تعین کیا جاتا ہے۔ اسلوبیاتی تنقید کی بنیاد فن پارے کے لسانیاتی تجزیے پر قائم ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی فن پارے کے اسلوبیاتی خصوصیات کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ اسلوبیاتی تجزیے کے بنیاد لسانیاتی تجزیہ ہے لیکن خالص لسانیاتی تجزیے کو اسلوبیاتی تجزیہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں لسانیاتی تجزیے کے علاوہ اسلوبی خصائص کی شناخت بھی ضروری ہوتی ہے۔ لہذا اسلوبیاتی تنقید کی تشکیل یوں ہوگی:

لسانیاتی تجزیہ + اسلوبی خصائص = اسلوبی تنقید

اسلوبی تنقید کا آغاز ۱۹۶۰ء سے ہوتا ہے۔ امریکہ کے ٹامس اے سیبوک کی مرتب کردہ کتاب "Style Language" کی اشاعت سے اس کے خط و خال متعین ہوئے ہیں۔ اسلوبیاتی تنقید کا ارتقا در اصل ماہرین لسانیات اور نقادان ادب، دونوں کی مجموعی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اردو میں پروفیسر مسعود حسین خاں نے سب سے پہلے اسلوبیاتی نوعیت کے مضامین لکھے اور باقاعدہ طور پر اسلوبیاتی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ "مطالعہ شعر" غالباً مسعود صاحب کا وہ پہلا مضمون ہے جس سے اسلوبیاتی تنقید کی بنیاد پڑتی ہے۔ مسعود صاحب نے اسلوبیاتی تجزیے کی معروضیت اور اس کے سائنسی انداز کے ساتھ ساتھ اس کے جمالیاتی پہلوؤں پر بھی زور دیا ہے اور ادب کے لسانیاتی تجزیے میں رچے ہوئے ذوق کی ضرورت کو

تسلیم کیا ہے۔ اردو میں اسلوبیاتی تنقید کو موجودہ دور میں کافی فروغ حاصل ہوا۔ مسعود حسین خاں کے بعد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے "اسلوبیات میر" کے ذریعے اسلوبیاتی تنقید کی بہتر مثال پیش کی۔ اس میدان میں پروفیسر مغنی تبسم "آواز اور آدمی" کے ذریعے ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ نے "زبان، اسلوب اور اسلوبیات" کے ذریعے اسلوبیاتی تنقید کے اچھے نمونے پیش کیے ہیں۔

اردو میں سب سے پہلے پروفیسر مسعود حسین خاں نے اسلوبیاتی نوعیت کے مضامین لکھے۔ "مطالعہ شعر" وہ پہلا مضمون ہے جس سے اردو میں اسلوبیاتی تنقید کی بنیاد پڑی۔ اس کے نمائندہ نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ، مغنی تبسم، مرزا خلیل احمد بیگ ہیں۔

الطاف حسین حالؔی

الطاف حسین حالؔی جدید تنقید کے بانی و مجتہد ہیں۔ اردو ادب میں وہ شاعر نثر نگار اور نقاد تینوں حیثیتوں سے بڑا ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ مقدمہ شعر و شاعری کے علاوہ حیات سعدی۔ حیات جاوید اور یادگار غالب جیسی تصنیفات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی کتاب مقدمہ شعر و شاعری کو مولوی عبدالحق نے اردو تنقید کا پہلا نمونہ اور آل احمد سرور نے اردو شاعری کا پہلا منشور قرار دیا ہے۔ حالی دراصل ایک اصلاح پسند نقاد ہیں۔ وہ شاعری کی مقصدیت کے قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شاعری زندگی کو بہتر بنانے اور اخلاق کی اصلاح کرنے میں سب سے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری کے پہلے حصے میں حالؔی نے شاعری کے اصول بیان کیے ہیں اور دوسرے حصے میں عملی تنقید یعنی غزل قصیدہ مثنوی اور مرثیہ کا جائزہ لیا ہے۔ اور ان تمام اصناف کی اصلاح کے لیے مشورے بھی دیے ہیں۔ شاعری کے لیے حالی نے جو شرائط مقرر کیے ہیں اس میں تخیل، مطالعہ کائنات اور تفحص الفاظ اہم ہیں۔ شعر کے لیے حالؔی نے سادگی، اصلیت اور جوش پر زور دیا ہے۔ وہ تخیل کی اہمیت پر بھی زور دیتے ہیں لیکن اسے بے لگام نہ چھوڑنے کی صلاح بھی دیتے ہیں۔ حالی مرثیہ کے قدردان بھی ہیں ان کے خیال میں مرثیہ کی بنیاد حقیقی واقعات پر مبنی ہے۔ شاعر اس میں فطری انداز اختیار کرتا ہے۔ مرثیہ ہی وہ صنف ہے جس سے اخلاق کی بہترین تعلیم دی جاسکتی ہے۔ لیکن وہ قصیدے کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جھوٹ اور خوشامد

کے سوا کچھ نہیں۔ حالی غزل کی مقبولیت کا اعتراف کرتے ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ یہ صرف عشق و عاشقی کے مضامین سے بھری پڑی ہے۔ اس طرح غزل کے مضامین محدود ہیں۔ بعض الفاظ شراب، صراحی، جام، ساقی وغیرہ کی تکرار سے پڑھنے والے پر برا اثر پڑتا ہے۔ غزل میں محبوب کا مرد ہونا بھی باعث شرم ہے۔ حالی نے لفظ و معنی کی بحث بھی اٹھائی ہے اور ابن خلدون کے خیال کو رد کرتے ہوئے دونوں کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ لیکن ان میں زیادہ ترجھکاؤ معنی کی طرف ہے۔

شبلؔی نعمانی

حالی کے بعد شبلی ہمارے دوسرے بڑے نقاد ہیں۔ جن کی تنقیدی خیالات میں اپنے زمانے کے ادبی ذوق کو بے حد متاثر کیا۔ اور ان کے نظریات کی صدائے بازگشت کسی نہ کسی شکل میں آج تک سنائی دیتی ہے۔ ان کے بیشتر خیالات حالی کے خیالات کی ضد معلوم ہوتے ہیں۔ حالی کے نزدیک شاعری کا اصل کام اخلاق کو درست کرنا اور زندگی کو سنوارنا ہے۔ لیکن شبلی کے نزدیک شاعری کا مقصد پڑھنے اور سننے والے کو مسرت عطا کرنا ہے۔ حالی شعر وادب سے افادیت کا مطالبہ کرتے ہیں، شبلی شعر وادب میں حسن کاری کو اصل شے سمجھتے ہیں۔ حالی کے یہاں لفظ و معنی کی بحث پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ لیکن شبلی لفظ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ان کے نزدیک مواد سے زیادہ اسلوب کو اہمیت دی گئی ہے۔ شبلی شاعری میں سادگی سے زیادہ میناکاری کے قائل ہیں۔ اور تشبیہ و استعارہ کو شعر کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ تشبیہ و استعارہ سے کلام میں جو وسعت اور زور پیدا ہوتا ہے وہ کسی اور طریقے سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ شبلی کے نزدیک شاعری دو چیزوں کا نام ہے۔ تخیل اور محاکات۔ اگر ان دونوں میں سے ایک چیز بھی پائی جائے تو شعر وجود میں آتا ہے ورنہ نہیں۔ محاکات سے شبلی کی مراد کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے گویا محاکات وہ شے ہے جسے ہم تصویر کشی یا آج کی زبان میں شعری پیکر کہتے ہیں۔ شاعری کے لیے دوسری ضروری چیز تخیل ہے۔ بقول شبلی یہ محاکات سے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ "محاکات میں جو جان آتی ہے وہ تخیل سے آتی ہے ورنہ صرف محاکات نقالی سے خالی نہیں" تخیل کو شبلی قوت اختراع یعنی نت نئی چیزیں پیدا کرنے کی قوت کے نام

سے یاد کرتے ہیں۔ تخیل وہ شے ہے جو بات سے بات نکال لیتی ہے اور جو چیز آنکھوں سے اوجھل ہے انہیں سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔ جس کے سبب ماضی اور مستقبل دونوں ہمارے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ بقول شبلی قوت تخیل ایک چیز کو سو دفعہ دیکھتی ہے اور ہر دفعہ اس میں ایک نیا کرشمہ نظر آتا ہے۔ شبلی کا یہ بھی خیال ہے کہ شاعر قوت تخیل سے تمام اشیاء کو نہایت عمیق نظر سے دیکھتا ہے۔ شبلی نے جذبات کے فوری اور بے ساختہ اظہار کو شاعری کا نام دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ خدا نے انسان کو دو قوتیں دی ہیں۔ ایک ادراک اور دوسرا احساس۔ ادراک کا کام سوچنا غور کرنا اور مسائل کو حل کرنا ہے۔ اور احساس کا کام صرف یہ ہے کہ جب کوئی اثر انگیز واقعہ پیش آتا ہے تو وہ متاثر ہو جاتا ہے۔ مثلاً غم کی حالت میں صدمہ خوشی میں سرور اور حیرت انگیز بات پر تعجب وغیرہ یہی قوت جس کو احساس کہہ سکتے ہیں شاعری کا دوسرا نام ہے۔ یعنی جب اسی احساس کو ہم لفظوں کا جامہ پہنا دیتے ہیں تو وہ شعر بن جاتا ہے۔ شبلی شاعری کو خطابت سے مختلف اور برتر خیال کرتے ہیں۔

شبلی مورخ بھی ہیں اور نقاد بھی۔ مگر ان کا مزاج بنیادی طور پر شاعرانہ ہے۔ ان کی نثر میں بہت کشش اور دل آویزی ہے انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں مگر ان کے تنقیدی افکار کو سمجھنے کے لیے سب سے اہم تصنیف ”شعر العجم“ ہے۔ خصوصاً جلد چہارم۔ اس کے علاوہ شبلی کے تنقیدی افکار ”موازنہ انیس و دبیر“ اور ”مقالات شبلی“ میں ملتے ہیں۔

احتشام حسین

احتشام حسین نے اپنے تنقیدی نظریات کا سانچہ سماجی یا مارکسی تصورات سے اخذ کیا ہے۔ ان کے خیال میں ادب زندگی کا ایک جزو ہے جبکہ مارکس کے خیال میں ادب طبقاتی کشمکش کا آئینہ ہے۔ لہذا ہر فن پارہ جدلیاتی مادیت کے معیار ہی سے زیادہ بہتر طور پر جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ احتشام حسین اسی نقطہ نظر کو برسوں تک بڑی محنت، کاوش اور پرزور دلائل کے ساتھ پیش کرتے رہے اور مارکسی دبستان تنقید کے مسلم الثبوت قائد کی حیثیت سے معروف رہے۔ احتشام حسین کے ۹ تنقیدی مضامین کے مجموعے اور دوسرے مضامین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے نظریات کی پیش کش میں اعتدال و توازن سے کام لیا ہے۔ ان کے یہاں ممتاز حسین اور سجاد ظہیر کا متوازن انداز نقد ملتا ہے۔ حالانکہ احتشام صاحب نے انتہا

پسندانہ سیاسی اور ادبی ماحول میں فکری پختگی کی منزلیں طے کی تھیں جہاں ایک طرف حلقۂ ارباب ذوق کی ہیئت پرستی، نیاز فتح پوری کی رومانیت، اور اثر لکھنوی کی روایتی لفظی موشگافیاں اپنے عروج پر تھی۔ دوسری طرف آزادی کی جدوجہد، ترقی پسندی اور اشتراکیت کا جوش و ولولہ تھا۔ ایسے ماحول میں احتشام حسین نے پوری دیانت داری کے ساتھ ترقی پسند تحریک کی حمایت کو نہ صرف خوش آمدید کہا بلکہ زندگی بھر اس نقطۂ نظر کی تفہیم و ترسیل میں لگے رہے۔ انہوں نے نظری اور عملی دونوں تنقیدی نمونے چھوڑے ہیں۔ نظری تنقید میں مارکسیت کی جھلک کچھ زیادہ ہی نمایاں ہے لیکن عملی تنقید کے نمونوں میں یہ انداز اس قدر نمایاں نہیں معلوم ہوتا۔ عملی تنقید میں ان کا انداز نقد زیادہ باوزن اور پروقار نظر آتا ہے۔ خصوصاً..... ”خوجی ایک مطالعہ“۔ ”غالب کی بت شکنی“۔ ”اقبال کی رجائیت کا تجزیہ“ عملی تنقید کے کامیاب نمونے کہے جاسکتے ہیں۔ احتشام حسین تنقید میں سماجی اثرات، نفسیاتی عوامی، سیاسی، معاشی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی اسباب و علل کا جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ ادب کو انسان کے فلاح و بہبود کا ضامن بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں اچھے اور پائیدار ادب کو انقلابی اشتراکی قوتوں کا علمبردار ہونا چاہیے۔ احتشام حسین کے تنقیدی نظریات ادب میں ایک مستقل اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آل احمد سرور کا یہ اعتراف حقیقت پر مبنی ہے کہ اردو تنقید میں ان کا درجہ بہت بلند اور ان کی تنقیدیں ہمارے ادب کا غیر فانی سرمایہ ہے۔ ان کی دوسری کتابیں ”تنقیدی جائزے“، ”روایت اور بغاوت“، ”تنقید اور عملی تنقید“ ہیں۔

کلیم الدین احمد

کلیم الدین احمد اردو تنقید کی دنیا میں اپنی گرانقدر تصنیف ”اردو شاعری پر ایک نظر“ ”اردو تنقید پر ایک نظر“ سے مشہور ہوئے۔ ان کی شہرت کی دوسری وجہ ان کی سخت گیری اور جارحانہ تنقیدی رویہ ہے۔ اس کتاب میں جو کہ عملی تنقید کے اچھے نمونوں میں شمار ہوتی ہے کلیم الدین احمد نے قدیم و جدید دونوں ادب پر اپنے تنقیدی رویے کو پیش کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب مشرقی اور مغربی تعلیم کے درمیان الجھ گئی۔ اس میں کلیم الدین احمد نے ابتداء سے ہی جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے اور کسی بھی مرحلے پر وہ کسی بھی تخلیقی ادب سے مطمئن نظر نہیں آتے ہیں۔ اس لیے تنقید کے سلسلے میں ان کا خیال یہ ہے کہ تنقید کا وجود فرضی ہے، یہ

اقلیدس کا خیالی نقطہ ہے یا معشوق کی موہوم کمر۔ غزل کو نیم وحشی صنف سخن قرار دیتے ہیں۔ تذکروں کی ادبی اہمیت کے منکر ہیں صرف تاریخی اہمیت تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں تذکروں میں بھی تنقیدی بصیرت نظر نہیں آتی۔ حالی، شبلی، مولوی عبدالحق غرض کوئی بھی ایسا ادیب، فنکار، نقاد یا پھر ادب کی صنف نہیں جس پر کلیم صاحب نے کاری ضرب نہ لگائی ہو۔ ان کی نگاہ میں کوئی ادیب، کوئی فنکار، کوئی نقاد یا کوئی بھی صنف ایسی نہیں جو پورے معیار پر اترتی ہو۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کلیم صاحب مشرقی معیار نقد کو مغربی معیار نقد کے اصولوں پر تولتے ہیں۔ ظاہر ہے دونوں کی اپنی اپنی فضا ہے، اپنا اپنا ماحول ہے، اپنی اپنی سرزمین ہے اور دونوں کسی بھی صورت میں ایک معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔ لیکن کلیم صاحب اپنی مغربی تعلیم کی روشنی میں مشرقی تنقید کو اس معیار پر پہونچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تنقید نکتہ چینی اور سخت گیری کے دائرے میں الجھ کر رہ گئی۔ گرچہ کلیم صاحب اگر چاہتے تو مشرقی تنقید کو اسی کی فضا میں مغربی تنقید کی روشنی میں سنوار سکتے تھے لیکن جنون نے انہیں بے راہ روی پر لا کھڑا کیا۔ اس طرح ان کے تنقیدی نظریات پر اگر غور کیا جائے تو ہم پاتے ہیں کہ وہ مشرقی تنقید کو مغربی اصول پر پرکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نقاد کے لیے انہوں نے جو شرائط رکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ زبردست قوت حاسہ کا مالک ہو، وسیع المطالعہ ہو، شعر و ادب کے مفہوم و مسائل سے واقف ہو، بنیادی اور فروعی باتوں میں فرق کر سکتا ہو، موازنہ، تجزیہ، تمیز اور فیصلے کی قوت رکھتا ہو اور واضح، مدلل اور دوٹوک انداز میں اپنی بات کہہ سکتا ہو۔ غرض کہ کلیم الدین احمد کے نظریات پر ایلیٹ اور رچرڈز کے نظریے کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ ایلیٹ کی کتاب "Tradition and Individual talent" کی بہت ساری باتیں کلیم صاحب کی کتاب "اردو تنقید پر ایک نظر" میں نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلیم صاحب نے خاص طور سے اسی کتاب کو اپنی کتاب کی بنیاد بنایا ہے۔

اردو تنقید کی دنیا میں بھلے ہی کلیم الدین احمد کی تنقید کو تخریبی تنقید سے تعبیر کیا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے نظریات نے اردو تنقید کے لیے نئے راستے اور زاویے ہموار کیے۔ حالی کے بعد کلیم الدین احمد ہی وہ نقاد ہیں جنہوں نے عملی تنقید کو باضابطہ آگے بڑھایا۔ ان کی دوسری کتابیں "سخن ہائے گفتنی"۔ "اقبال ایک مطالعہ" ہیں۔

آل احمد سرور

دور حاضر کے اہم ناقد ہیں۔ ان کے تنقیدی مضامین کے مجموعوں میں: (تنقید کیا ہے؟ ادب اور نظریہ، نئے اور پرانے چراغ تنقیدی اشارے، نظر اور نظریے، مسرت سے بصیرت تک، فکر روشن) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سرور صاحب کا تنقیدی نظریہ سائنٹفک ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تنقید میں معروضیت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ تخلیقی ادب کی روح تک رسائی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم اسے مغربی و مشرقی اصولوں، نظریوں اور تجربوں کی روشنی میں دیکھ نہ لیں۔ ادب میں ادبیت کی تلاش اور تہذیبی سرمایے کے قابل قدر حصوں کی اشاعت کو ان کے نظریے میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اعتدال و توازن سرور صاحب کی تنقید کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ انہوں نے اردو تنقید میں مشرق و مغرب کے ادبی تصورات سے مرکب ایک متوازن انداز تنقید پیش کیا۔ ان کی تنقید کا ایک خاص وصف ان کا دل نشیں اسلوب بھی ہے۔ صراحت، وضاحت، سادگی اور آسان زبان کے استعمال سے انہوں نے اپنی تنقید کو عام فہم بنادیا ہے۔ قدیم و جدید اور مغرب و مشرق کی بحثوں میں بھی ان کا ذہن صاف ہے۔ وہ عموماً تصویر کے دونوں رخ پیش کرکے فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔ آئی۔ اے۔ رچرڈز اور ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ سے جہاں ان کی ذہنی مناسبت ہے وہیں اپنی تنقید سے حالی و شبلی کی روایات میں توسیع و اضافہ بھی کیا۔ انہوں نے نظریے کی اہمیت پر زور دیا ہے اور کہا کہ ادب میں نظریے کی وہی اہمیت ہے جو زندگی میں نظر کی ہے۔ ان تمام اوصاف کے باوجود ان کی تحریروں میں اخلاقی موقف اور نسائی منصب ان کے علم کو مغلوب کر دیتا ہے اور یہی چیز کمزوری بن جاتی ہے۔ "باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی" کی جب جب کوشش کرتے ہیں ان کی تنقید وہاں کمزور نظر آتی ہے اور دلیلوں سے تیار عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔

○○

تاریخ زبان اردو

ہند آریائی کی مختصر تاریخ

ماہر لسانیات اور مورخین کا خیال ہے کہ آریہ ہندوستان میں داخل ہونے سے قبل مشرقی ایران اور افغانستان میں کچھ عرصے ٹھہرے۔ اس دوران ان کی زبانیں ایک حد تک ارتقاء پاچکی تھی۔ ایسی زبانوں کو ہم ہند آریائی خاندان السنہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

قیاس ہے کہ آریائی زبان بولنے والے ہندوستان میں ۱۵۰۰ ق۔م میں آئے یہی وہ زمانہ ہے جس میں وید کی تخلیق ہوئی۔ ہندوستان میں آنے سے پہلے کچھ عرصہ کے لیے آریہ قبیلے افغانستان میں ٹھہرے اور کچھ دریائے کابل اور قرم کے کنارے سے پنجاب میں داخل ہوئے۔

ابتدائی آریہ لاطینی زبانیں بولتے تھے اور خانہ بدوش کی زندگی گزارتے تھے۔ ہندوستان میں آریوں کی آبسنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ لوگ نیم خانہ بدوش قوم کی حیثیت سے زندگی گزارتے تھے۔ اس لئے انہیں نئی جگہ اور نئے وطن کی تلاش تھی۔ چنانچہ ہندوستان کو بھی ان لوگوں نے اپنا مستقر بنالیا۔

اس سلسلے میں جارج گریرسن کے نظریے کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے ان کا خیال ہے کہ ہندوستان میں آریوں کے دو گروہ آئے۔ ایک پہلے دوسرا بعد میں، پہلا گروہ دو آب گنگ وجمن میں آباد ہوا اور دوسرے گروہ نے پہلے گروہ کو شمال جنوب اور جنوب مغرب کی طرف دھکیل دیا۔ اسی طرح بعد میں آنے والا گروہ بیرونی آریہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

وید اور برہمنوں کی تہذیب و معاشرت نے اندرونی آریوں کے دائرے میں پرورش پائی اور ان کی زبان بیرونی آریوں کی زبان سے الگ رہی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دو الگ الگ زبانوں کے گروہ پیدا ہوئے جو اس طرح ہیں۔

(۱) اندرونی دائرہ کی زبانیں (۲) بیرونی دائرہ کی زبانیں

(۱) اندرونی دائرہ میں مغربی ہندی اور اس کی شاخیں، بانگرو۔ قنوجی اور برج بھاشا وغیرہ ہیں۔

(۲) بیرونی دائرہ کی زبانیں، سندھی، گجراتی، راجپوتی، مرہٹی، مشرقی ہندی کی قسمیں اور ان کے علاوہ بہاری، بنگالی، اُڑیہ اور آسامی شامل ہیں۔

مگر گریرسن کے اس نظریئے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے بہر حال موجودہ ہند آریائی زبانوں کو ان کی لسانی اور ترکیبی خصوصیتوں کے لحاظ سے پانچ شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو اس طرح ہیں (۱) شمالی مغربی (۲) جنوب مغربی (۳) وسطی (۴) مشرقی (۵) جنوبی

(۱) شمال مغربی:

اس گروہ کی زبانوں میں مغربی اور مشرقی پنجابی اور سندھی کے علاوہ ان چینیوں کی بولیاں بھی شامل ہیں جو آرمینیا ایشیائے کوچک شام اور یورپ کے مختلف مقامات میں پائے جاتے ہیں۔

مغربی پنجابی:

مغربی پنجابی کے اور کئی نام ہیں۔ لہذا، ہندکو چھکی، ملتانی وغیرہ یہ کئی بولیوں کا مجموعہ ہے۔ جو مغربی حصہ پنجاب کے تقریباً پانچ میلین باشندوں میں رائج ہے۔ اس کے بولنے والے علمی اور ادبی مقاصد کے لئے بالعموم اُردو خال خال ہندی اور پنجابی استعمال کرتے ہیں۔

مشرقی پنجابی:

مشرقی پنجابی جو عام طور پر پنجابی کہلاتی ہے تقریباً ۱۶ میلین باشندوں کی زبان ہے۔ مشرقی پنجابی کی کئی اہم زبانیں ہیں۔ جن میں ڈوگری زیادہ مشہور ہے۔ یہ بولی ریاست کشمیر جموں اور ضلع کانگڑوہ میں رائج ہے۔ دورِ جدید میں ”سکھ“ قوم اس زبان میں کچھ ادب کا اضافہ کر رہی ہے۔

سندھی:

یہ زبان دریائے سندھ کے نشیبی وادی اور علاقہ ”کچھ“ میں بولی جاتی ہے اس کے بولنے والے تقریباً ساڑھے تین میلین ہیں۔ اس کی پانچ شاخیں ہیں۔

(۱) وچولی (۲) سرائیکی (۳) لاڑی (۴) تھریلی (۵) کچھی

سندھی جس رسم الخط میں لکھی جاتی ہے وہ فارسی اور عربی۔ سے ماخوذ ہے۔

جپسی:

جپسیوں کی یورپ اور مغربی ایشیا کی بولی کو دو شاخوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔

(۱) ارمنی (۲) یورپی ۔یہ بولیاں ان پراکرتی زبانوں سے مشترک ہیں جو شمالی ہندوستان میں بولی جاتی تھی اس کا کچھ تعلق پشاچہ زبان سے بھی ہے۔

(۲) جنوب مغربی:

جنوب مغربی گروہ کی زبانوں میں راجستھانی کے علاوہ بہاری گروہ کی بولیاں بھی شامل ہیں جو ان کھاشا قبیلوں میں رائج ہیں جو کہ ہمالیہ کی پہاڑیوں میں مغرب سے مشرق تک پھیلے ہوئے ہیں۔ راجستھانی گروہ کی چار شاخیں ہیں۔ (۱) مالوی او نماری (۲) میواتی اور گجراتی (۳) جے پوری اور رہاروئی (۴) مغربی شاخ (جس میں مارواڑی اور گجراتی شامل ہیں)

(الف): راجستھانی کی مغربی شاخ کی زبانیں یعنی مارواڑی اور گجراتی ایک دوسرے سے بالکل قریبی تعلق رکھتی ہے اس کے برخلاف مشرقی شاخ کی زبانیں یعنی مالوی، میواتی جے پوری وغیرہ تہذیب سے قریب ہیں۔

گجراتی زبان کو سولویں صدی عیسوی سے علیحدہ اور مستقل حیثیت حاصل ہوئی۔ گجراتی کے موجودہ بولنے والوں کی تعداد تقریباً دس ملین سے زیادہ ہے، گجرات کا پہلا بڑا شاعر نرسنگھ مہتا ہے۔ جو پندرھویں صدی عیسوی میں موجود تھا۔ گجرات میں جب مظفر شاہی سلطنت قائم تھی تو وہاں بھی اُردو کو ادبی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اس وقت گجراتی پر د و اور فارسی دونوں کا اثر پڑتا رہا۔

(ب): پہاڑی گروہ کی بولیاں۔ یہ پہاڑی گروہ ہند آریائی زبانوں کے جنوب میں مغربی حصے کی دوسری شاخ ہے۔ میدانوں کے رہنے والے خصوصاً راجپوتانے کی ہند آریائی زبانیں بولنے والے جس سنہ عیسوی کی ابتدائی صدی میں ہجرت کر کے پہاڑوں میں جابسے تو وہاں انھیں کھاشہ قبیلوں سے سابقہ پڑا۔ جو جلد ان کے زیر اثر آکر ہندویت کی طرف اس قدر مائل ہوگئے کہ اپنی اصلی زبان کو بھی مسخ کرلی۔ یہی مسخ شدہ زبان جو لینا چنی اور ہند آریائی یعنی "راجستھانی" بولیوں سے مرکب ہوئی جو آج پہاڑی کہلاتی ہے۔ پہاڑی گروہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) مشرقی (نیپالی) (۲) وسطی (کماونی اور گڑھوالی) مغربی (منڈیالی سرموری)

(۳) وسطی:

وسطی ہند آریائی زبان کا عام نام "مغربی ہندی" ہے اس کے بولنے والوں کی تعداد ساڑھے اکتالیس ملین ہے۔ اس کی اہم قسمیں پانچ ہیں۔

۱۔ برج بھاشا : بریلی، علیگڑھ، آگرہ، متھرا اور کرولی کے اطراف واکناف میں رائج ہے۔

۲۔ قنوجی : جو دو آبہ میں، برج بھاشا کے مشرقی علاقہ میں بولی جاتی ہے۔

۳۔ بندیلی : بندیلکھنڈ اور وسط میں رائج ہے۔

۴۔ بانگرو یا ہریانی : جنوب مشرق پنجاب میں بولی جاتی ہے۔

۵۔ ہندوستانی : برج بھاشا علاقہ کے شمال میں انبالہ سے رام پور تک بولی جاتی ہے۔ اس کو کھڑی بولی اور ہندی بھی کہتے ہیں۔

مغربی ہندی کا قدیم نمونہ چندر بردائی کی نظم "پرتھوی راج راسو" یہ نظم ۶۹ بندوں پر مشتمل ہے۔ مغربی ہندی کے ادبی ذخیرہ میں شہنشاہ اکبر کے وقت میں کافی اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود بادشاہ کا دربار شاعری کا مرکز تھا۔ اور ایک سے ایک علم و فن کے قدرداں موجود تھے۔ مثلاً عبدالرحیم خان خاناں، فیضی سورداس اور بہاری لال وغیرہ۔ یہ سب غیر معمولی حیثیت اور اہمیت کے حامل تھے۔ اور ان کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں خاص طور سے سورداس کے "بھجن" "سور ساگر" تو برج بھاشا شاعری کی نہایت اعلیٰ نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔

(۴) مشرقی:

مشرقی گروہ کی دو شاخیں ہیں۔ (۱) مشرقی ہندی (۲) مگدھی

مشرقی ہندی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اودھی (۲) باگھیلی (۳) چھتیس گڑھی۔

مشرقی ہندی بولنے والوں کی تعداد ساڑھے بائیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اودھی میں کافی ادب موجود ہے۔ اس کا قدیم ترین اہم کارنامہ ملک محمد جائسی "پدماوت" ہے۔ اس کے علاوہ تلسی داس نے زیادہ تر اودھی میں ہی لکھا۔

مگدھی کے دو حصے ہیں۔

(۱) مشرقی: جس میں آسامی، بنگالی اور اڑیہ شامل ہے۔

(۲) مغربی: جس میں میتھلی، مگھی، بھوجپوری شامل ہیں۔ اڑیہ اور میتھلی بولنے والوں کی تعداد دس ملین ہے۔

(۵) جنوبی:

جنوبی ہند آریائی زبانوں کی آخری شاخ ہے۔ اس میں صرف مرہٹی اور اس کی یہ تین بولیاں شامل ہیں۔

ا۔ دیشی یا پونہ مرہٹی: جو معیاری اور وسطی زبان ہے۔ اور خاص دکن میں بولی جاتی ہے۔

۲۔ کونکنی یا ساحلی بولی: جس کی آوازوں میں اکثر انفی عنصر غالب رہتا ہے۔

۳۔ ناگپوری یا مشرقی بولی: جس کا تلفظ ذرا کھلا اور بگڑا ہوتا ہے۔

اس میں مرہٹی، عملی حیثیت سے ہندوستان کی ایک اہم زبان سمجھی جاتی ہے۔ اس کے قدیم ترین نمونوں میں سکندر راجہ، جنابہ دیو اور نام دیو قابل ذکر ہیں۔

اردو کی ابتداء کے بارے میں مختلف نظریات

اردو زبان ہندوستان کی ایک متمول اور ترقی یافتہ زبان ہے جس کے آغاز و ارتقاء میں مختلف طرح کے معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی محرکات نے سرگرم حصہ لیا ہے۔ اس کے آغاز و ارتقاء کے سلسلے میں جو نظریات وخیالات موجود ہیں۔ ان کے چار اہم ماخذ ہیں۔

(۱) قدیم تذکرے (۲) فرانسیسی اور انگریزی تصنیفات (۳) متوسط عہد کی تحریریں

(۴) عہد حاضر کے لسانی تحقیقات

لسانیاتی نظریات کے جائزے اور مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ ماہرین لسانیات کے خیالات میں قطعیت اور یکجہتی نہیں ہے۔ سید سلیمان ندوی، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، مولوی نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر اختر اورینوی نے زبان اردو کے آغاز و ارتقاء کے سلسلے میں جو نظریات پیش کئے ہیں ان کی روشنی میں نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ان ماہرین لسانیات کے خیالات زبان اردو کے اولین مولد و منشا کے سلسلے میں بھی قطعی نہیں ہے۔ بعض کے مطابق اردو کی ابتداء سرزمین سندھ سے ہوئی۔ بعض نے سرزمین پنجاب کی اہمیت تسلیم کی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اردو کی ابتدائی نشو و نما کے لیے ارض دکن کو اہمیت حاصل ہے۔ اور بعض ماہرین لسانیات نے دوآبہ گنگ وجمن کے علاقے کو زبان اردو کی اولین سرزمین قرار دیا۔

بہرحال ان تمام ماہرین لسانیات کے درمیان ایک بات جو قدر مشترک کا درجہ

رکھتی ہے، یہ ہے کہ زبان اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کے سماجی اور تہذیبی اختلاط کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ جس کا سلسلہ سن ۷۱۱ء میں شروع ہو چکا تھا۔ سندھ کے علاقے میں اس وقت تک مسلمانوں کو سیاسی تسلط کی وجہ سے اہمیت کی حاصل ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین مفاہمت اور میل جول کی ایک فضا بنی ہوگی۔ لیکن یہ زمانہ چونکہ بالکل اولین دور تھا اسی لیے لسانی اور تہذیبی سطح پر کسی واضح تغیر کا زیادہ امکان نہ تھا۔ آہستہ آہستہ مسلمان پہنچے۔ اور پھر شمالی ہندوستان کی طرف بڑھتے گئے۔ ۱۱۹۳ء میں دہلی پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہو گیا۔ چنانچہ دہلی اور نواح دہلی میں مسلم تہذیب کے ان اثرات کو تیزی کے ساتھ پنپنے کے مواقع ملے جو پہلے ہی سے صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے وسیلے سے قائم ہونے لگے تھے۔ ڈاکٹر ہیورنیلے لکھتے ہیں۔ "اردو مقابلتاً حال کی پیداوار ہے یہ دہلی کے نواح میں جو مسلم اقتدار کا مرکز اور برج، ماڑواری، پنجابی کا سنگم تھا۔ بارہویں صدی عیسویں میں پیدا ہوئی۔ مقامی باشندوں اور مسلمان سپاہیوں کے اختلاط و ارتباط سے ایک ملی جلی زبان "اردو" وجود میں آئی۔ جو صرفی و نحوی اصول کی حد تک برج ہے۔ اگرچہ اس میں پنجابی اور ماڑواری کی آمیزش بھی ہے۔ اس کے کچھ الفاظ دیسی ہندی میں اور کچھ بدیسی یعنی فارسی اور عربی...... ایک اور فرانسیسی ماہر لسانیات ڈاکٹر "گریرسن" نے بھی زبان اردو کے آغاز و ارتقاء کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے شمالی ہندوستان کے علاقے کی اہمیت درج ذیل جملوں میں تسلیم کی ہے۔ "اردو قواعد اور فرہنگ الفاظ کے لحاظ سے مخلوط، عام مشترک زبان ہے۔ اس میں شمالی ہندوستان کی مقامی بولیوں کے علاوہ عربی، فارسی، ترکی، تلگو زبان کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ اس کے صرفی نحوی قواعد نے شمالی ہند کی عام بولیوں سے خوشہ چینی کی ہے۔" کم و بیش یہی خیالات زیادہ معتبر تسلیم کئے گئے ہیں۔ دور جدید کے ایک ماہر لسانیات مسعود حسین خاں نے جو لسانی نقطۂ نظر زبان اردو کے آغاز و ارتقاء کے سلسلے میں پیش کیا ہے۔ اس کے صحت و صداقت عام طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ حافظ محمود شیرانی اور ڈاکٹر زور کے لسانی نظریات سے زیادہ اہمیت ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے نقطۂ نظر کو حاصل ہے جس کی تائید شوکت سبزواری اور ڈاکٹر اختر اورینوی نے بھی کی ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان نے لکھا ہے۔

"دراصل اردو کا ماخذ تلاش کرتے وقت نواح دہلی کی دو بولیوں یعنی ہریانی اور کھڑی بولی کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ فرانسیسی عالم پروفیسر ژول بلوک نے سب سے پہلے اپنی تحریروں

میں اس بات کا اشارہ کیا تھا کہ ہریانہ کے علاقے کا اردو کے ارتقاء میں خاص حصہ رہا ہے۔"

"ڈاکٹر مسعود حسین خان نے دو آبہ گنگ و جمن کو اردو کی اولین روایتوں کی تشکیل کا علاقہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس کی نشاندہی بھی کی ہے کہ چونکہ شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کو سرکاری اور درباری بالادستی حاصل تھی۔ اس لیے اس کے فروغ و بہبود کے امکانات تیزی کے ساتھ نمایاں نہ ہو سکے۔ چنانچہ علاء الدین خلجی، ملک کافور اور محمد تغلق نے بخوبی ہندوستان کو مسخر کیا۔ اور وہاں مقیم رہ کر وہاں کے باشندگان سے قربتیں پیدا کیں۔ تو ان کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس نئی زبان کے اثرات کی نشوونما یہاں تیزی کے ساتھ ہونے لگی۔ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ شمالی ہندوستان کی فارسی کی طرح دکن میں کوئی زبان مقابلے پر نہ تھی۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی اس اہم تاریخی اور لسانی رموز کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ علاء الدین خلجی پر ملک کافور نے دکن میں مسلسل حملے کیے۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا سیلاب محمد تغلق کے زمانے میں اٹھا اور دکن میں جا کر رکا محمد تغلق نے نہ صرف دکن پر فوج کشی کی بلکہ دیوگڑھ کو دولت آباد سے موسوم کر کے اس کو اپنا پایہ تخت بھی قرار دے دیا۔ اس کے باعث نہ صرف فوجی اشخاص بلکہ اہل علم و فضل، اہل حرفہ اور تجار سبھی دہلی چھوڑ کر دکن آ گئے۔"
چونکہ سماجی زندگی کے ہر طبقے کے لوگ یہاں پہونچے اور فوجیوں اور بزرگوں کی تبلیغی سرگرمیاں زور شور کے ساتھ یہاں پہلے سے جاری تھیں۔ اس لیے دکنی کے نام سے زبان اردو یہاں تیزی کے ساتھ فروغ پذیر ہوئی۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں......

"نہ تو دکنی اردو کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور نہ اردو، دکنی سے ملتی جلتی زبان آج بھی نواح دہلی کے دیہات اور شہر دہلی کے مخصوص طبقات میں، "کرخنداری" کے نام سے سنائی دیتی ہے۔ چنانچہ دکنی زبان کی نہ تو کوئی علیحدہ حیثیت ہے اور نہ کوئی دکنی ادب کی کوئی علیحدہ اور مخصوص روایت...... دہلی ہو کہ دکن ہر جگہ ہند ایرانی تہذیب کا ایک مخصوص ٹھپہ ملتا ہے جو ایک طرف قدیم ہندو تہذیب سے مختلف ہے۔ اور دوسری طرف ایرانی اور ترکمانی تہذیب سے......"

زبان اردو کے لسانی مزاج کا یہی وہ امتیازی پہلو ہے جس نے اسے ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا ترجمان بنا دیا ہے۔ یہ وہ زبان ہے کہ جس میں مختلف علاقائی اور لسانی اثرات ایک اہم آہنگ کی شکل میں موجود ہے۔

دکنی اردو کی خصوصیات

بالعموم دکنی اردو کو موجودہ اردو کی بگڑتی ہوئی شکل تصور کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ شمال اور جنوب کے درمیان ایک بڑا فاصلہ ہے اور ان علاقوں کے معاشرتی اور تہذیبی آداب میں بھی فرق ہے۔ اس لیے شمال کی اردو اور دکن کی اردو میں کچھ امتیازات ہیں یہ امتیازات دکنی اردو کی خصوصیات کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ زبان اردو کا آغاز و ارتقاء ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا ثمرہ ہے۔ شمال میں جب طوائف الملوکی پھیلی تو لوگ امن و عافیت کے لیے دکن چلے گئے۔ مسلمانوں نے جس زبان کا بیج دکن میں بویا تھا وہ اپنی جڑیں مضبوط کرتا رہا۔ اس طرح شمال اور جنوب کی مقامی بولیوں اور فارسی عربی کے اختلاط سے دکن میں جو اردو زبان کو ہیولہ تیار ہوا وہ ہمارے ادب کا پہلا نمونہ قرار دیا گیا۔ دکنی زبان کے ادب نے اپنا تخلیقی سفر آزادانہ طور پر طے کرنے کی کوشش کی۔ اس ابتدائی مرحلے پر اگر غور کیا جائے تو یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ شاعری میں وہاں ہندی اوزان اور اصناف کو فوقیت دی گئی ہے اس کے علاوہ دوہا، گیت اور بھجن نما تخلیقات کو بھی زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ راگ راگنیوں اور عوامی گیتوں کی دھنوں کی پیروی بھی ملتی ہے۔ طویل نظم میں مثنوی کو کافی فروغ دیا گیا۔ جس پر مقامی رنگ اور ہندوی کا غلبہ نظر آتا ہے۔ شمال اور جنوب کے لسانی مزاج کے مطالعے اور تجزیے کے بعد خصوصیات سامنے آتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دکنی اردو میں ایک ایسا حرف علت بھی ہے جو شمالی ہندوستان کی اردو میں نہیں ملتا۔ اس حروف علت کا تلفظ (د) اور "د معروف" کے درمیان ہے۔ اس حرف علت کا سوتی آہنگ دراوڑی ہے۔ یہ آواز انہی لفظوں سے وابستہ ہے جو دراوڑی خاندان کی زبانوں سے اردو میں داخل ہوئے ہیں مثلاً پٹا (چھوکرا)، ڈبا (موٹا)، بُرا (توند) وغیرہ۔

۲۔ بعض لفظوں میں دو طویل حروف علت ہوتے ہیں دکنی میں اس نوعیت کے الفاظ ہوں تو پہلے حرف علت کا تلفظ طویل نہیں رہتا۔ بلکہ مختصر ہو جاتا ہے۔ شمالی ہندوستان کی اردو میں متعلقہ حرف علت کی صوتی طوالت برقرار رہتی ہے۔ مثلاً

دکنی اردو	شمالی اردو
ادمی	آدمی
اسمان	آسمان
سنگھنا	سونگھنا

۳۔ اردو زبان کا حرف قاف (ق)، صوتی آہنگ کے اعتبار سے ہندوستان کے لیے بالکل اجنبی ہے۔ دو آبہ کے اردو والوں میں اس کی صحیح ادائیگی کا شعور موجود رہا۔ مگر بعض دوسرے خطوں میں اس کا تلفظ بگڑی ہوئی شکل میں رائج رہا۔ پنجاب میں یہ کاف (ک) کی طرح بولا جاتا ہے اور دکنی اسے "خ" کی طرح بولتے رہے۔ مثلاً شمال میں قورمہ اور دکن میں خورمہ۔

۴۔ پراکرت میں جن الفاظ کی شروع کی آواز دندانی اور بیچ کی آواز کوڑی تھی، ایسے لفظوں کا ارتقاء شمال و جنوب میں جداگانہ طور پر ہوا۔ شمال میں ابتدائی 'دندانی' آواز بھی 'کوزی' بن گئی۔ جبکہ دکن میں اس کے تلفظ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ مثلاً شمال میں 'ٹھنڈ' اور دکن میں تھنڈ۔

۵۔ دکنی زبان میں کچھ ایسی خصوصیات محفوظ رہ گئیں جو شمالی اردو میں محفوظ نہ رہ سکیں۔ مثلاً یہ کہ پراکرت میں جن لفظوں کے درمیان دو حروف صحیح موجود تھے، برج بھاشا اور کھڑی بولی میں اکہرے ہوگئے۔ ایک حرف صحیح کم ہوا تو لفظ کا وزن برقرار رکھنے کے لیے حرف علت بنادیا گیا۔ یہ تبدیلی دو آبہ کی اردو میں بھی رونما ہوئی۔ اس کے برعکس دکنی میں اکثر الفاظ کی اصلی ہئیت قائم رہی۔ مثلاً

شمالی اردو	دکنی اردو
چونا	چوننا
پھیکا	پھکا
ہاتھی	ہتھی

۶۔ دکن میں فعل کا استعمال بالعموم فاعل کے لحاظ سے ہوتا ہے مثلاً لڑکا روٹی کھایا۔ لڑکے روٹیاں کھائے۔

۷۔ دکنی میں مذکر اسم کی جمع کے لیے انفی حرف علت "آں" واحد لفظ کے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً کئی مرداں تھے۔ ڈھولاں اچھے ہیں۔

۸۔ اسم مونث بنانے کے قاعدے میں تضاد کی ایک نوعیت دکنی زبان میں ملتی ہے۔ دکنی میں اسم مونث بنانے کے لیے "آں" جوڑ دیتے ہیں مثلاً دواتاں لاؤ۔ کن کی کتاباں ہیں۔

دکنی زبان کی یہ خصوصیات لسانی اعتبار سے کچھ ناہموار معلوم دیتی ہیں۔ لیکن اس کی اہمیت تاریخی اعتبار سے بھی مسلم ہے۔

شمالی ہند کی قدیم اردو ۱۸۰۰ء تک

شمالی ہند میں قدیم اردو کی ابتداء کو ہم دو ادوار میں بانٹ سکتے ہیں۔ اردو زبان و ادب کی نشو و نما میں صوفیاء اکرام کا حصہ اردو زبان و ادب کی قسمت کا ستارہ گرچہ مسلمان حکمرانوں کی آمد کے بعد چمکا لیکن اس کی ابتدائی نشوونما میں درویشوں، صوفیوں، بھگتوں نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ یہ صوفیاء یا اولیاء اللہ جو اس خطے میں آئے یا پیدا ہوئے وہ اپنی تعلیم و تلقین عوام کی بولیوں میں کرتے تھے۔ دنیا پرستوں کو حق و صداقت کی راہ دکھانا ان کا مقصد حیات تھا یہ لوگ دنیا کے جاہ و جلال سے بے نیاز تھے۔ چنانچہ درویشان ہند نے اپنی باطن کی روشنی کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے اردو الفاظ کا سہارا لیا۔ اور قربت و اپنائیت کا وہ جذبہ پیدا کیا جو مسلمان بادشاہان ہند اپنی دولت ثروت کے باوجود پیدا نہ کرسکے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ (متوفی ۱۲۳۵ء) جب تبلیغ حق کے لیے ہندوستان تشریف لائے تو انہوں نے مقامی زبان میں مہارت حاصل کی۔ یہ رشد و ہدایت کا درس مقامی ہندوی زبان میں دیتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں بہت سے ایسے الفاظ مل جاتے ہیں۔ جو اردو کی ابتدائی شکل ہیں۔

خواجہ فریدالدین (متوفی ۱۲۶۵ء) نے بھی مقامی ہندوی زبان میں اپنے باطن کی روشنی عوام تک پہنچائی ان کے دو ملفوظات "راحت القلوب" اور "اسرار الاولیاء" دستیاب ہیں جن کو اردو ادب کے ابتدائی نمونے کہا جاسکتا ہے

شیخ شرف الدین بو علی قلندر (متوفی ۱۳۲۳ء) امیر خسرو (متوفی ۱۳۲۹ء)، شیخ برہان الدین غریب (متوفی ۱۳۳۸ء)، خواجہ بندہ نواز (متوفی ۱۴۲۲ء)، شاہ میراں جی شمس العشاق (۱۶۹۶ء) شیخ بہاؤ الدین باجن (متوفی ۱۵۰۶ء) وغیرہ جیسے صوفیاء اکرام نے تبلیغ و تلقین کے لیے جو زبان استعمال کی وہ مقامی ہندوی زبان تھی۔ ان کے ملفوظات کے بیشتر الفاظ قدیم اردو کہلانے کے مستحق ہیں۔ حضرت امیر خسرو جنہیں اردو کا پہلا شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے اردو الفاظ، ادبی اغراض سے استعمال کئے۔ انہوں نے ہندوی شاعری میں زبان کا وہ روپ پیش کیا جو عوام میں مقبول ہو چکا تھا۔ دوہے، کہہ مکرنیاں، دو سخنے،

پہلیاں، گیت، کہاوت، ڈھکوسلے اور ریختہ وغیرہ اصناف ہیں جو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ غور طلب ہیں۔ صوفیاء اکرام نے تبلیغ حق کے لیے جس علاقے کو منتخب کیا اسی کی زبان میں شاعری کی اور جس سے نئی زبان کا خمیر تیار ہوا۔ اور انہی سے اردو زبان کو مضبوط بنیاد فراہم ہوئی۔

شمالی ہندوستان میں اردو ادب کا ابتدائی فروغ

نظم: اردو زبان و ادب کی ابتدائی نشو و نما پر گہری دھند چھائی ہوئی ہے۔ اس لیے وثوق سے کہنا یہ ممکن نہیں کہ اس زبان کا پہلا ادب کب پیدا ہوا محققین کی دریافت کے مطابق ہندوی زبان کا پہلا صاحب دیوان شاعر مسعود سعد سلیمان کو قرار دیا گیا ہے۔ ان کے بعد قطبن، شیخ جمالی، نے بھی ہندوی زبان میں شاعری کی ہے۔ محمد افضل جھنجھانوی ' متوفی ۱۶۲۵ء) کی بکٹ کہانی ۳۲۵ اشعار پر مشتمل منظوم افسانہ ہے۔ جو بارہ ماسہ کی روایت میں لکھا گیا۔ یہ سفر کچھ آگے بڑھا تو جعفر زٹلی ۱۷۱۳ء نے زبان درازی، بے باکی اور شدید رد عمل کی مثالیں قائم کیں انہوں نے ہجو اور مدح دونوں میں شدید جذباتی تموج کا اظہار کیا۔

شمالی ہند میں اردو کے ابتدائی فروغ اور اس کے بول چال کی عام زبان بن جانے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا پہلا قدم شاعری میں تخلیق ہوا۔ یہ زبان گلی کوچوں میں بھی بولی جا رہی تھی۔ اور رابطہ عوام کے علاوہ کاروباری اور تبلیغی ضرورتوں میں بھی معاون تھی۔ عربی اور فارسی زبان نے اس کو ادبی حیثیت دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ دلی میں ولی کے دیوان کی آمد ایک نیا سر چشمہ ثابت ہوا۔ سراج الدین آرزو۔ شاہ مبارک آبرو، شاکر ناجی، شرف الدین مضمون شاہ ظہور الدین حاتم، نواب صدالدین خان فائز، مرزا مظہر جان جاناں، انعام اللہ خاں یقیں، میر سوز، خواجہ میر درد، مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر وغیرہ جیسے شعراء نے اردو شاعری کی اس صبح صادق کو ایک عہدِ زریں کی صورت دے دی اور اپنے کلام سے اردو زبان و ادب کی ایسی خدمت کی کہ ان کے سرمائے پر ہم اب تک فخر کرتے ہیں۔

نثر: اردو شاعری کے مقابلے میں شمالی ہند میں اردو نثر کا ارتقاء بہت آہستہ روی سے ہوا۔ جعفر زٹلی نے کہاوتیں اور ضرب الامثال، ''دربار معلیٰ'' میں لکھی ہیں۔ جن کا خمیر خالصتاً مقامی زبان سے اٹھا ہے۔ انہوں نے ہندی الفاظ کو عربی بندش دی اور ہندی افعال کی تعریف فارسی کے مطابق کر دی۔ مرزا محمد رفیع سودا نے اپنے مراثی کے دیوان کا دیباچہ اردو

میں لکھا اور مرثیہ و شاعری کے بارے میں اپنا فنی نقطۂ نظر پیش کیا۔ سودا کی نثر الفاظ کی نگینہ کاری کی مثال ہے۔ میر غلام علی عشرت بریلوی نے اردو نظم میں جو 'پدماوت' کا ترجمہ کیا تھا اس کا دیباچہ اردو نثر میں لکھا۔ نواب عیسوی خاں اس دور کے ایسے نثر نگار ہیں جنہوں نے ''قصہ مہر افروز دلبر'' لکھا۔ جسے اردو کی قدیم ترین طبع زاد داستان تسلیم کیا گیا ہے۔ سلاست، لطافت اور سادہ کاری کی ایک اور مثال شاہ عالم ثانی کی تصنیف ''عجائب القصص'' ہے۔ نابینا بادشاہ نے یہ داستان زبانی لکھوائی اور اس میں قلعۂ معلیٰ کی شائستگی شامل کر دی۔ اسی دور میں محمد عطا حسین خاں تحسین نے چہار درویش کی کہانی کو ''نو طرز مرصع'' کے نام سے اردو میں منتقل کیا۔ اس ضمن میں کربل کتھا کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ اردو میں فضل علی فضلی نے ۱۷۴۵ء میں کیا۔ جو ملا حسین واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہداء کا ترجمہ ہے۔ اس میں کربلا کے واقعہ شہادت کی تفصیلات بیان کی گئیں ہیں۔

اردو نثر کے فروغ کو ایک نئی کروٹ اس وقت ملی جب فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس ادارے نے اردو نثر کو نصف النہار تک پہنچا دیا۔

OO

دیگر اصناف نثر

مکاتیب : عہد سر سید میں جس صنف نثر نے نجی ضرورتوں کے تحت ترقی حاصل کی وہ مکتوب نگاری ہے۔ خط لکھنا انسان کا ذاتی فعل ہے لیکن اسے بالعموم فن کا درجہ نہیں دیا جاتا وجہ یہ ہے کہ خط کی غایت اولیٰ خبر رسانی ہے۔ یہ مخاطب کو رازداں بھی بناتا ہے۔ اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے میں بھی معاونت کرتا ہے۔ لیکن ایک عام آدمی اور ایک ادیب کے خطوط میں بنیادی فرق یہ ہے کہ موخر الذکر نہ صرف ادبی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں بلکہ ادیب کے نہاں خانۂ دل تک رسائی حاصل کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادباء کے خطوط کو بنیادی ماخذ کا درجہ دیا جاتا ہے اب تک ادیبوں کے خطوط کے اس قدر مجموعے چھپ چکے ہیں کہ اس قسم کی نثری تحریروں کو نہ صرف فن کا درجہ مل چکا ہے بلکہ اب خطوط نگاری کو ایک صنف نثر بھی شمار کیا جاتا ہے۔

خطوط غالب: غالب سر سید کے عہد کے سب سے بڑے مکتوب نگار ہیں غالب کے اردو خطوط کا سلسلہ ۱۸۴۸ء سے شروع ہوتا ہے اور مرتے دم تک قائم رہا۔ مرزا غالب شاعری کی طرح نثر نگار بھی تھے۔ ان کا بنیادی وصف جدت طرازی ہے جو شاعری اور نثر دونوں میں موجود ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے واقعات جو انہوں نے دستنبو میں لکھے ہیں اس میں ان کی یہ کوشش تھی کہ عربی الفاظ نہ آنے پائیں۔ یہی کوشش ان کے مکتوبات میں بھی ملتی ہے، ان کے مکتوبات میں طنز و مزاح ڈرامائی عناصر اور بے تکلفی کا استعمال بہت ہوا ہے۔ گویا انہوں نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے۔ ان کے مکتوبات میں القاب و آداب کا التزام بھی نہیں ملتا۔ سادگی اور صفائی، مکالمہ کو ایسی روانی بخشتی ہے کہ غالب کی طبیعت اور مزاج کی تیزی فطری طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ مرزا غالب کے اب تک چار مکتوبات کے مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں جن میں سے دو "اردوئے معلّٰی" عودِ ہندی، ان کی زندگی میں شائع ہوگئے تھے بعد وفات نادرات غالب اور مکتوبات غالب کے نام سے ان کے خطوط جمع کیے جاچکے ہیں غالب کے مکتوبات میں جو اثر پذیری کی کیفیت ہے وہ میر کی شاعری اور میر

امن کی نثر سے میل کھاتی ہے گویا غالب کے خطوط اپنے طرز اسلوب کے لحاظ سے بالکل جداگانہ ہیں۔ ان کے خطوط کی نمایاں خصوصیات جدت پسندی، تازگی، متانت آمیز ظرافت، بے ساختگی، اصلیت، اور فطری پن ہیں جو ان کی اپنی اختراع ہے۔

مقالات : مقالہ مضمون کی ایک مہتم بالشان قسم ہے۔ عام زبان میں ہر بات یا خیال جو نثر میں پیش کردیا جائے انہیں مضمون سے موسوم کردیا جاتا ہے۔ مگر انہیں مقالہ نہیں کہا جاسکتا۔ مقالے میں کسی سنجیدہ بات یا خیال پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یہ ادب، مختلف علوم، فلسفہ اور سائنس کے کسی بھی پہلو پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔ مقالوں کے ذریعے افکار و عقائد اور نظریات و تصورات پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے ذریعے ادق سے ادق، بلند سے بلند اور نازک سے نازک باتوں کی گرہیں کھولی جاتی ہیں مقالہ نگار ایک بھرپور علمی و ادبی شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ علمیت مقالے کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ نفس تحلیل پر مقالہ نگار کا جس قدر مطالعہ اور نگاہ ہوگی مقالہ اسی قدر پر از معلومات اثر بخش اور مفید ہوگا۔ یہی ایک کامیاب مقالے کی شان ہے۔ مقالے کی ایک امتیازی خصوصیت سنجیدگی اور متانت ہے۔ مقالہ معلوماتی ہو تاثراتی یا فکری اگر اس میں علمیت کا جز، مدہم ہے تو یہ مشعل ہدایت نہیں بن سکتا۔ مقالہ، نثری ادب کی وہ مخصوص تحریر ہے جو قلم کار سے راست گفتاری کی توقع رکھتی ہے اور اس سے محنت، صبر و سکون کا مطالبہ کرتی ہے، مقالے میں عموماً علوم یا ادب کے سنجیدہ امور و نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ مقالے کی ایک اور اہم خصوصیت اس کا اختصار و جامعیت ہے۔ مقالے میں اختصار کے باوجود تنوع ملتا ہے۔ خیالات کے اعتبار سے مقالات کی مختلف قسمیں کردی گئی ہیں۔ مثلاً ادبی مقالے، علمی مقالے، سائنٹفک مقالے وغیرہ۔ مقالے کی مقبولیت اور اس کے فروغ میں جرائد و رسائل نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔

مقالات شبلی : مقالات کی دنیا میں شبلی کی ذات مستجمع کمالات ہے۔ انہوں نے ہر قسم کے مقالات لکھے ہیں ادبی، علمی، تاریخی، مذہبی، تنقیدی، اور فلسفیانہ۔ انہوں نے اپنے بیان کو متین اور منطقی دلیلوں سے مزین کیا ہے۔ حسب ضرورت استعاروں اور تشبیہ سے بھی کام کیا ہے۔ لیکن جن مقالوں نے ان کو حیات جاوید بخشی وہ تاریخی مقالات ہیں، شبلی نے التمدن الاسلامی، پر ایک مقالہ عربی میں لکھا اور اس کی تلخیص اردو میں شائع کی تھی۔ جس کے پڑھنے سے جرجی زیدان کی دروغ بیانی جہالت اور تنگ نظری کا ثبوت بے نقاب

ہو جاتا ہے۔ جس نے اسلام کے خلاف غلط بیانی کی تھی۔ مقالہ زیب النساء میں عاقل خان اور زینب النساء بیگم کے عشق کی داستان بڑے چٹخارے کے ساتھ بیان کی ہے۔ شبلی کے چند مشہور مقالوں میں ابن رشد، کتب خانۂ اسکندریہ ہندوستان میں اسلامی تمدن کا اثر، حفرۃ اسماء، اسلامی کتب خانے وغیرہ مشہور ہیں۔

مضامین سرسید : سرسید کی نثری تحریروں نے اردو نثر کے فرسودہ مزاج و اسلوب میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ اور ایک ایسی نثر کا رواج شروع ہوا جس میں سادگی و عام فہمی بے تکلفی اور شائستگی تھی۔ اور جس کے اندر ہر طرح کے مضامین و موضوعات خیالات و مشاہدات کو پیش کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ خود سرسید کی طرز تحریر میں نمایاں فرق پیدا ہوا ۱۸۷۰ء میں جب تہذیب الاخلاق کا اجراء ہوا تو مختلف عنوانات پر سرسید نے مضامین لکھے۔ ان مضامین کا لسانی مزاج، عوامی عموی اور یکساں تھا۔ زبان و بیان کو فرسودہ تکلفات اور تصنعات سے نجات ملی تو اسلوب نثر میں فطری طور پر ایک غیر معمولی طور پر توانائی اور شادابی پیدا ہوگئی۔ سرسید کے مضامین نے ایک نئی طرح ڈالی۔ اسلوب نثر جو پہلے محدود مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اب اس کے اندر اتنی وسعت پیدا ہوگئی کہ ہر طرح کے خیالات و مضامین کی ادائیگی بہ سہولت کی جانے لگی۔

سرسید بہ یک وقت ایک مصلح، ایک داعی ایک تحریک کے علمبردار ہی نہیں بلکہ قوم کے نبض شناس اور امین تھے۔ ان کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ انہوں نے اردو نثر کو اپنی خدمات سے گنجینۂ گوہر بنادیا۔ آثار الصنادید، آئین اکبری، اسباب بغاوت ہند تفسیر القرآن خطبات احمدیہ کے اعتبار سے اسلوب اختیار کرنے پر قدرت حاصل تھی۔ عنوان چاہے خشک ہو مگر اپنے اسلوب سے لطف پیدا کرنے کی صلاحیت ان میں خوب تھی۔ ان کے مضامین میں مکالماتی انداز بیان دل کش و دل نشین پیرایہ بیان موضوع کے مطابق الفاظ کا استعمال جوش و خروش ثبات و قیام، ضبط و تحمل متانت و بربادی، اختصار و ایجاز ملتے ہیں جو ان کے اسلوب کے جلی عنوانات ہیں۔ واقعتاً سرسید کا اسلوب نثر ایک ایسا سرمایہ ہے جس سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے ان کی علمی تحریروں کو پڑھ کر ادبیت کا احساس بھی ہوتا ہے اور حقیقت کا ادراک بھی۔

سوانح : سوانح نگاری کو اردو میں ایک علیحدہ صنف کی حیثیت حاصل ہے۔ ۱۹ویں صدی کے آخر میں مولانا حالی اور شبلی نے اردو میں سوانح نگاری کا آغاز کیا۔ ان لوگوں نے فارسی

اور انگریزی دونوں زبانوں میں سوانح نگاری کے جو اصول تھے ان سے فائدہ اٹھایا۔ سوانح میں عام طور پر زندگی کے کسی خاص شعبہ سے تعلق رکھنے والی کسی مشہور و ممتاز ہستی کے حالات زندگی اور اس کے کارناموں کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ اس میں ضروری ہوتا ہے کہ پہلے سوانح نگار تحقیق کر کے تمام ضروری مواد جمع کرے۔ اور پھر اسے اس طرح ترتیب دے کہ پیدائش سے موت تک زندگی کے تمام اہم واقعات اور کارنامے ایک موقع کی صورت میں سامنے آجائیں۔ حالی کی حیات جاوید اور شبلی کی الفاروق، قاضی عبدالغفار کی "آثار ابوالکلام" اور غلام رسول مہر کی "غالب" اردو میں سوانح نگاری کے قابل قدر ادبی نمونے ہیں۔

یادگار غالب : مولانا حالی صرف ایک کامیاب شاعر ہی نہیں بلکہ بلند پایۂ نثار بھی تھے۔ نثر میں مولانا کی حیات سعدی، یادگار غالب، حیات جاوید، اور مقدمہ شعر و شاعری زندہ تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ "مقالات حالی" اور "مکتوبات حالی" بھی ان کی نثر کے نمونے ہیں۔ اردو ادب میں غالبیات کا جو الگ شعبہ قائم ہے۔ اس کی ابتداء حالی کی یادگار غالب سے ہوتی ہے۔ سوانح نگاری، ایک قدیم صنف نثر ہے۔ بنی اسرائیل اور اہل روم اپنے بزرگوں کو حیات جاوداں دینے کے لیے ان کے کارناموں کو محفوظ کر لیتے تھے۔ اردو میں بھی سوانح نگاری کا آغاز ادیبوں کی سوانح سے ہوا، چنانچہ حالی نے حیات سعدی، حیات جاوید اور یادگار غالب لکھ کر سوانح نگاری، کی صنف کو اردو میں رواج دیا۔ حالی اردو کے پہلے سوانح نگار ہیں۔ ان سے قبل دکن میں یہ سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو تذکروں اور روزنامچوں کی شکل میں ملتے ہیں۔ حالی نے اسے فن کے طور پر استعمال کیا۔ یادگار غالب ۱۸۹۷ء میں لکھی گئی۔ حالی کے پاس غالب پر کثیر تعداد میں مواد تھا۔ مگر وہ پہلو دار شخصیت نہ تھی۔ غالب کو حالی پر ذہنی برتری حاصل تھی۔ نہ صرف شاعری کے سبب بلکہ سادگی، پرکاری، ذہانت و فراست کے سبب بھی۔ لہذا حالی غالب کے ساتھ پوری طرح انصاف نہ کر سکے حالی کے اسلوب میں وہ جوش و خروش نظر نہیں آتا جو غالب کی Genuis کا احاطہ کرتا۔ ان کا لہجہ دھیما اور بجھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یادگار غالب سوانح نگاری کا باضابطہ نمونہ ہے اور فن کے طور پر لکھی گئی ہے۔ گو وہ اس سوانح کی عبارت سے ناہمواری بھی ٹپکتی ہے۔

انشائیہ : انشائیہ نگاری کی صنف اردو میں انگریزی سے آئی انگریزی میں اسے Light Essay کہتے ہیں عام طور پر اردو کے اخباروں اور رسالوں میں کسی خاص موضوع پر

صحافتی یا علمی انداز کی جو مضامین یا مقالے لکھے جاتے ہیں انشائیہ ان سے مختلف ہوتا ہے۔ ان مضامین میں معلومات اور سنجیدہ دلائل پر سارا زور صرف ہوتا ہے، جبکہ انشائیہ میں انشائیہ نگار بے تکلف بے ساختہ اور غیر علمی انداز سے اپنی بات کہتا ہے اور زیادہ تر اپنے تجربے اور ذاتی مشاہدے کی بنیاد پر تصورات بیان کرتا ہے۔ انشائیہ نگاری میں کوئی اصلاحی مقصد پوشیدہ نہیں ہوتا۔ انشائیہ نگار اپنے دل کی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ لیکن ان باتوں میں تازگی ندرت اور شگفتگی ہوتی ہے۔ اس کے تجربے زندگی پر ایک نئے زاویے سے روشنی ڈالتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ذات اور اپنی شخصیت کا انکشاف بھی کرتے ہیں۔ اردو میں عبدالحلیم شرر، فرحت اللہ بیگ، سجاد انصاری، رشید احمد صدیقی، مشتاق احمد یوسفی نے اعلیٰ معیار کے انشائیے لکھے ہیں ان کے علاوہ بہت سے ادیبوں نے اس صنف نثر میں طبع آزمائی کی ہے نظیر صدیقی اور وزیر آغا نے بھی اس صنف کی طرف توجہ کی ہے۔

نیرنگ خیال: محمد حسین آزاد کے متعلق یہ مشہور ہے اگر وہ نیرنگ خیال کے سوا کچھ نہ لکھتے تو بھی ان کے مرتبے میں کوئی کمی نہ آتی۔ آزاد کی تنقید، تحقیق، تشریح اور توجیہہ سب پر حرف زنی ہوئی ہے۔ مگر ان کا وہ اسلوب جو نیرنگ خیال میں ہے۔ اپنی جگہ منفرد اور ممتاز ہے اس لیے کہ موضوع کے مطابق زبان و بیان ہے۔ آزاد نہ مفکر تھے نہ معلم، نہ فلسفی، نہ سیاستدان، وہ زبان داں تھے۔ نیرنگ خیال میں ان کی انشاء پردازی کے تمام جوہر سامنے آگئے۔ اس میں عربی و فارسی کے اثرات گونجتے ہیں۔ تخیل کی بلند پروازی سے دلچسپی آخر تک بنی رہتی ہے۔ آزاد خیالی دنیا کی تجسیم اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ دنیا سامنے نظر آنے لگتی ہے۔ نیرنگ خیال ایک تمثیلی بیان ہے جس میں شاعرانہ تعلّی سے کام لیا گیا ہے اس میں تشبیہہ و استعارے کا استعمال بھی ہے اور لفظی پیکر تراشی بھی۔ جو قاری کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ ان کے اسلوب پر فارسی شاعری اور نثر دونوں کا اثر نمایاں ہے ان کی انشاء پردازی پر داستانوں کی طلسماتی فضا کا رنگ ہے۔ اس لیے کہ ان کی تحریروں میں ایک بوجھل رنگینی ملتی ہے۔

غبار خاطر: مولانا ابوالکلام آزاد کی مشہور ہو مقبول تصنیف ہے۔ انہوں نے مذہب، فلسفہ تاریخ اور سیرت کو موضوع بنایا ہے۔ ان کی نثری تحریروں میں غبار خاطر مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں وہ مکتوبات شامل ہیں جنہیں مولانا نے قلعہ احمد نگر میں ایام اسیری کے دوران قلمبند کیا ہے۔ یہ خطوط نواب صدر یار جنگ، حبیب الرحمٰن خان

شیروانی کے نام ہیں۔ دراصل مولانا نے یہ خطوط خود اظہاری کے طور پر لکھے ہیں۔ ان کے لکھنے سے مولانا کو طمانیت قلب حاصل ہوئی تھی۔ غالب کے بعد مکتوب نگاری کی صنف کو فروغ دینے میں جن شخصیتوں کو اہمیت حاصل ہے ان میں مولانا آزاد کا شمار بھی ہوتا ہے۔ جو واقعات اور حالات ان خطوں میں بیان کئے گئے ہیں دنیائے حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن اس سے مولانا کے اسلوب کی انفرادیت نمایاں ہوتی ہے۔ اور ان کی شخصیت کے زیر حجاب پہلو بھی سامنے آجاتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد جنگ آزادی کے مجاہد خطیب اور بے باک صحافی تھے۔ شاعری اور موسیقی سے ان کو فطری لگاؤ تھا۔ ساتھ ہی ان کی فکر و نظر میں شعریت اور فطرت پسندی تھی۔ غبار خاطر کے کئی خطوط مستقل انشائیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ کچھ موضوعات جیسے حکایات زاغ و بلبل، چڑیا چڑے کی کہانی پر قلم فرسائی کرنا مشکل تھا لیکن مولانا نے اپنے فکر و خیال کی جولانی اور شوخ تحریر سے ایک انوکھی مثال پیش کی۔ کچھ خطوط کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مذہب کے معاملے میں وہ تنگ نظری اور توہمات کے خلاف تھے۔ مذہبی ظاہر داری اور بیجا رسم و رواج سے ان کو چڑ تھی۔ سید عبداللہ نے غبار خاطر کو ابوالکلام آزاد کی ضعیفی کی آواز کہا ہے۔ ”غبار خاطر ابوالکلام کی ضعیفی کی آواز ہے اس میں ابوالکلام کے متعلق تو بہت کچھ ہے خود ابوالکلام اس میں کم سے کم ہیں۔“ آزاد نے جیل کی تنہائی کا مداوا اپنے خطوط میں تلاش کیا اور خود اپنے ساتھ باتیں کی ہیں۔ غبارِ خاطر میں ایک مخصوص نشاطیہ کیفیت ملتی ہے۔

خاکہ نگاری: خاکہ نگاری اردو ادب کی نئی صنف نثر ہے۔ جس کا آغاز بیسویں صدی کی دوسری یا تیسری دہائی میں مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون ”نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی“ سے ہوا۔ گرچہ اس سے قبل انشاء کی دریائے لطافت“ اور دیگر تذکروں مثلاً ”مجموعۂ نغز“، ”خوش معرکۂ زیبا“، ”گل رعنا“، اور آب حیات میں بھی اس کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ خاکہ نگاری میں کسی شخص کے اہم اور منفرد پہلو اس طرح اجاگر کیے جاتے ہیں کہ اس شخص کی ایک جیتی جاگتی تصویر قاری کے ذہن میں پیدا ہو جاتی ہے۔ خاکہ نگاری، سوانح نگاری سے مختلف ہوتی ہے۔ سوانح نگاری میں خاکہ کی گنجائش تو ممکن ہے لیکن خاکے میں سوانح نگاری کی گنجائش ممکن نہیں۔ خاکہ اس شخص کا لکھا جاتا ہے جس سے خاکہ نگار ذاتی طور پر واقف ہو اور اسے بہت قریب سے دیکھا ہو۔ خاکے میں واقعات کو

زمانی ترتیب سے پیش نہیں کیا جاتا بلکہ واقعات کی ایسی ترتیب بنائی جاتی ہے جو موضوع خاکہ کی تصویر کو روشن کرنے اور مطلوبہ تاثر کو گہرا کرنے میں معاون ہو۔ خاکہ میں کسی شخص کی زندگی میں پیش آنے والے سارے واقعات درج نہیں کیئے جا سکتے۔ اس میں واقعات منتخب کیئے جاتے ہیں۔ یہ منتخب واقعات ایسے ہونے چاہئے جو زندگی کے بیشتر یا تمام پہلوؤں پر حاوی ہوں۔ اردو میں مرزا فرحت اللہ بیگ، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، محمد طفیل، سعادت حسن منٹو، اور شاہد احمد دہلوی کو خاکہ نگار کی حیثیت سے ممتاز مقام حاصل ہے۔

فرحت اللّٰہ بیگ : اردو ادب میں خاکہ نگاری کی باقاعدہ اور کامیاب کوشش "نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی" سے ہوتی ہے۔ فرحت اللہ بیگ نے اس خاکے میں اپنے استاد کی شخصیت کو پیش کیا ہے۔ جس میں ان کی شخصیت کے تمام پہلو نمایاں ہو گئے ہیں۔ یہ خاکہ مرزا صاحب نے مولوی عبدالحق کی ایماء پر لکھا تھا۔ مرزا صاحب نے اپنے مخصوص طنزیہ و مزاحیہ انداز میں بڑی عقیدت سے نذیر احمد کے تمام اوصاف، ان کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں اور ان کی زندگی کے اہم واقعات سے ایک زندہ اور چلتی پھرتی تصویر پیش کردی ہے۔ مرزا صاحب کی جزیات نگاری اور انتخاب واقعات سے اس خاکے میں مزید دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ فرحت اللہ بیگ نے جہاں مولوی نذیر احمد کی شخصیت کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے وہاں دوسری طرف ان کی کمزوریوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کا انداز بیان شوخی و ظرافت لیے ہوئے ہے۔ لیکن یہ شوخی و ظرافت خود ان کی شخصیت کا اہم جز تھیں۔ انہوں نے نذیر احمد کے حلیہ، قد و قامت عادات و اطوار کے لیے ایسے مناسب الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ان کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا یہ خاکہ اس قدر مقبول ہوا کہ اردو کے دوسرے انشاء پردازوں نے بھی اس صنف کی طرف توجہ کی اور اس کے بعد اردو میں عمدہ خاکے لکھے گئے۔

مضامینِ پطرس : "مضامین پطرس" احمد شاہ پطرس بخاری کی ایک سدا بہار کتاب ہے۔ جس کا مزاج کبھی پرانا نہیں ہوا۔ ہاسٹل میں پڑھنا، سویرے جو کل آنکھ میری کھلی، مرید پور کا پیر، میں انہوں نے خالص مزاح تخلیق کیا ہے۔ "کتے"، "لاہور کا جغرافیہ"، "اردو کی آخری کتاب" تحریف نگاری کے بے حد عمدہ نمونے ہیں۔ نیاز مندان لاہور کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے لاہور کی مجلسی زندگی میں برجستگی، حاضر جوابی اور مزاح

سے لطافت پیدا کیں۔ ان کے مضامین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مشرقی ماحول کو مغربی انداز میں دیکھا۔ اور ان کی ناہمواریوں کو اپنی تحریروں میں پیش کیا۔ ان کے مضامین پڑھ کر لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آجاتی ہے۔ ان کی تحریروں میں بلا کی شوخی ہے۔ ان کی زبان پر مقامی رنگ کا گہرا اثر ہے۔ کبھی کبھی پنجابی محاورات غیر پنجابیوں کے لیے بعید از فہم ہو جاتے ہیں۔ پطرس نے اردو مزاح نگاری کو ایک ایسے راستے پر لگانے کی کوشش کی جہاں فطری انداز موجود ہے۔ وہ ہنسانے کی کوشش نہیں کرتے واقعات اور خیالات کے اظہار کا ایسا دلکش اور ظریفانہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ قاری کو خود بخود ہنسی آجاتی ہے۔ "مضامین پطرس" کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا نہیں ہے بلکہ ان کے اندر بلند خیالی کے ساتھ ساتھ اخلاقی، ادبی اور معاشرتی اصلاح کی کوشش بھی پوشیدہ ہے۔

مضامین رشید : ۲۰ویں صدی کی ابتداء میں جب زندگی سے ہمدردانہ شعور کی نئی لہر چلی تو معاشرے کی ناہمواریوں کا مذاق اڑانے کے بجائے ان سے لطف اندوز ہونے کا انداز بھی پیدا ہوا چنانچہ ہنسی کے جسمانی عمل نے زبان اور ذہن کے خنداں آورد عمل تک رسائی حاصل کرلی اور مزاح کا وہ عمل جو جراحت پیدا کرنے کے لیے استعمال ہو رہا تھا اب ذہنی اور جذباتی تشنج رفع کرنے کے لیے کام میں لایا جانے لگا۔

مضامین رشید، رشید احمد صدیقی کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس میں ۲۰ویں صدی کے نصف اول کا ہندوستان اپنے تنوعات کے ساتھ ہنستا بولتا اور کہیں کہیں سنجیدہ نظر آتا ہے۔ مرشد، شیطان کی آنت، ارہر کا کھیت، کارواں پیدا است، چارپائی، دھوبی، سلام ہو نجد پر، وغیرہ ایسے جاندار و شاندار مضامین ہیں جن میں طنز بھی ہے اور ظریفانہ نگاہ بھی۔ ہمدردی کا جذبہ بھی ہے اور اقدار کا احترام بھی، اور ان سب کا مرکزی نقطہ ہے، علی گڑھ جو مصنف کی شخصیت بھی ہے، فن بھی ہے اور اظہار فن بھی ہے۔

ان کے مضامین میں مزاح کی رو مدہم لیکن طنز کا وار شدید ہے۔ انہوں نے طنز کی لپیٹ میں پورے معاشرے کو لینے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مزاح کا کامیاب ترین حربہ "قول محال" ہے۔ رشید صاحب سنجیدگی کی سل کو توڑ کر شگفتہ مسکراہٹ کو جنم دیتے ہیں۔ انہوں نے مزاح سے احساس زیاں پیدا کرنے کا کام بھی لیا ہے اور ان کا مزاح ایک رچی ہوئی تہذیبی شخصیت کا مزاح بھی ہے۔

OO

معروضی سوالات

PRACTICE SET- 1

(1) اردو غزل کا نقشِ اولین کسے کہا جاتا ہے؟

(a) حضرت امیر خسرو　(b) مسعود سعد سلیمان

(c) کبیر داس　(d) ولی دکنی

(2) غدر کے بعد انحطاط سے گزرنے والی صنف تھی۔

(a) مثنوی　(b) نظم معرّیٰ

(c) غزل　(e) مرثیہ

(3) ہندوستانی زبان کا اولین عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔

(a) قلی قطب شاہ　(b) ولی دکنی

(b) حضرت امیر خسرو　(d) نظیر اکبر آبادی

(4) میر نے ریختہ کا مسلم الثبوت استاد کسے کہا ہے؟

(a) مرزا مظہر جانِ جاناں　(b) شاہ حاتم

(c) مرزا محمد رفیع سودا　(d) ولی دکنی

(5) ولی کا دیوان کس سال دلی آیا؟

(a) ۱۷۰۷ء　(b) ۱۷۱۱ء

(c) ۱۷۱۸ء　(d) ۱۷۳۱ء

(6) قنوطیت کا امام کسے کہا جاتا ہے؟

(a) میر تقی میر　(b) مرزا اسد اللہ خاں غالب

(c) شیخ ابراہیم ذوق　(d) مومن خاں مومن

(7) اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کون ہے؟

(a) ولی
(b) سراج
(c) قلی قطب شاہ
(d) مرزا مظہر جانِ جاناں

(8) متصوفانہ شاعری میں کسے اونچا مقام حاصل ہے؟

(a) مرزا مظہر
(b) آبرو
(c) میر
(d) درد

(9) اردو قواعد کی سب سے پہلی تصنیف کا نام کیا ہے؟

(a) قواعد القواعد
(b) دریائے لطافت
(c) آمد نامہ
(d) بحر الفصاحت

(10) خواجہ میر درد کی سنہ پیدائش کیا ہے؟

(a) ۱۷۱۹ء
(b) ۱۷۳۵ء
(c) ۱۷۳۲ء
(d) ۱۷۴۷ء

(11) آتش کس کے شاگرد تھے؟

(a) خواجہ میر درد
(b) مصحفی
(c) سراج
(d) آرزو

(12) "نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ" کس شاعر کا خطاب ہے؟

(a) علامہ شبلی نعمانی
(b) بہادر شاہ ظفر
(c) ابراہیم ذوق
(d) مرزا اسد اللہ غالب

(13) مومن کس کے ہمعصر شاعر تھے؟

(a) میر
(b) غالب
(c) اقبال
(d) جگر

(14) شاد عظیم آبادی کا پورا نام کیا ہے؟

(a) سردار علی
(b) نقی احمد
(c) محمود الحسن
(d) سید علی محمد

(15) غزل کا نشاۃ الثانیہ کا امام کسے کہا جاتا ہے؟

(a) جگر مراد آبادی
(b) مجروح سلطانپوری
(c) حسرت موہانی
(d) فانی بدایونی

(16) گل نغمہ کس کا مجموعہ کلام ہے؟

(a) یگانہ چنگیزی
(b) فراق گورکھپوری
(c) معین احسن جذبی
(d) مجروح سلطانپوری

(17) "تنہائی" کس کی نظم ہے؟

(a) فیض
(b) فراق
(c) جگر
(d) ن۔م۔راشد

(18) رزمیہ مثنوی کی مثال ان میں سے کون ہے؟

(a) سیف الملوک و بدیع الجمال
(b) علی نامہ
(c) خواب و خیال
(d) بحر المحبت

(19) مومن کی مثنوی کا نام بتائیں۔

(a) قصہ بے نظیر
(b) زہر عشق
(c) اعجاز عشق
(d) اسرار عشق

(20) "دعائیہ" کس صنف کا جزو ہے؟

(a) مرثیہ
(b) قصیدہ
(c) مثنوی
(d) غزل

(21) "سحیفِ روزگار" کس نوعیت کا قصیدہ ہے؟

(a) مدحیہ (b) بہاریہ
(c) ہجویہ (d) رثائیہ

(22) مرثیہ کا اجزائے ترکیبی سب سے پہلے کس نے متعین کیا؟

(a) میر ضمیر (b) خلیق
(c) انیس (d) دبیر

(23) انیس پہلے کیا تخلص استعمال کرتے تھے؟

(a) معانی (b) بانی
(c) حزیں (d) امامی

(24) "علی نامہ" کس مثنوی کے جواب میں لکھی گئی؟

(a) خاور نامہ (b) شاہ نامہ
(c) پھول بن (d) ساقی نامہ

(25) فکر رفو تھی چرخ ہنر مند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لیے .... کس کے مرثیہ کا شعر ہے؟

(a) انیس (b) دبیر
(c) ضمیر (d) خلیق

(26) حالی سے قبل نظم نگاری کی ابتدا کس نے کی؟

(a) ولی (b) نظیر
(c) محمد حسین آزاد (d) شبلی

(27) اقبال پر فسطائیت کا الزام کس نے لگایا تھا؟

(a) عبدالرحمٰن بجنوری (b) نیاز فتح پوری
(c) اختر حسین رائے پوری (d) فراق گورکھپوری

(28) "جلوۂ دربار دہلی" کس کی نظم ہے؟

(a) جوش (b) اکبر
(c) اقبال (d) حالی

(29) فیض نے "انقلاب کے مطرب" کسے کہا ہے؟

(a) جوش (b) جذبی
(c) مجاز (d) سردار جعفری

(30) "فسانۂ آزاد" کس اخبار میں قسط وار چھپا؟

(a) جام جہاں نما (b) تہذیب الاخلاق
(c) اردو اخبار (d) اودھ اخبار

(31) متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی
اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

(a) لف و نشر (b) مراعات النظیر
(c) حسن تعلیل (d) تجاہل عارفانہ

(32) "ناول" لفظ کا استعمال سب سے پہلے اردو میں کس نے کیا؟

(a) نذیر احمد (b) پریم چند
(c) محمد ہادی رسوا (d) شاد عظیم آبادی

(33) "آثار الصنادید" کا مصنف کون ہے؟

(a) محمد حسین آزاد (b) سر سید احمد خاں
(c) عبدالحلیم شرر (d) شبلی نعمانی

(34) اردو کا پہلا ڈرامہ کسے قرار دیا گیا ہے؟

(a) رہس (b) علی بابا چالیس چور

(c) اندر سبھا (d) سلور کنگ

(35) "سنگ و خشت" کا مصنف کون ہے؟

(a) رشید احمد صدیقی (b) پطرس بخاری

(c) شوکت تھانوی (d) کنہیا لال کپور

(36) "نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی" کا مصنف کون ہے؟

(a) خواجہ غلام السیدین (b) رشید احمد صدیقی

(c) مولوی عبدالحق (d) مرزا فرحت اللہ بیگ

(37) "شب خون" رسالہ کہاں سے شائع ہوتا ہے؟

(a) بمبئی (b) جے پور

(c) دہلی (d) الہ آباد

(38) "صحیفۂ محبت" کا ادب کی کس صنف سے تعلق ہے؟

(a) سوانحی ادب (b) افسانوی ادب

(c) مکتوباتی ادب (d) صحافتی ادب

(39) "نکات الشعراء" کس کی تصنیف ہے؟

(a) لالہ سری رام (b) قائم چاندپوری

(c) پنڈت دتاتریہ کیفی (d) میر تقی میر

(40) "شاہین" کا استعارہ کس شاعر نے استعمال کیا ہے؟

(a) فیض (b) اقبال

(c) جوش (d) مجاز

(41) مسدس کے ایک بند میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(a) پانچ (b) چار

(c) چھ (d) تین

(42) امتیاز علی خاں عرشی کس حیثیت سے مشہور ہیں؟

(a) مکتوب نگار (b) محقق

(c) صحافی (d) مزاح نگار

(43) "نیرنگ خیال" کی اسلوبیاتی خصوصیت کیا ہے؟

(a) محاکات (b) ایہامی تحریر

(c) تمثیلی انشاء (d) خالص انشائیہ

(44) جوش کے رسالہ کا کیا نام تھا؟

(a) انجم (b) مریخ

(c) صبح نو (d) کلیم

(45) "منصور موہنا" کا مصنف کون ہے؟

(a) عبدالحلیم شرر (b) رتن ناتھ سرشار

(c) نذیر احمد (d) منشی سجاد حسین

(46) "دستنبو" کا مصنف کون ہے؟

(a) سرسید احمد خاں (b) علامہ شبلی نعمانی

(c) مرزا اسد اللہ غالب (d) الطاف حسین حالی

(47) "میزان" کس کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے؟

(a) ناصر کاظمی (b) نظیر الحسن

(c) اختر شیرانی (d) فیض احمد فیض

(48) ''مقطع'' کسے کہتے ہیں؟

(a) غزل کا پہلا شعر
(b) وہ شعر جو مطلع کے بعد آئے
(c) غزل کا سب سے اچھا شعر
(d) وہ شعر جس میں شاعر کا تخلص ہو

(49) جمالیاتی تنقید میں کون سی قدر ناقد کے پیش نظر رہتی ہے؟

(a) حقیقت نگاری
(b) سیاسی صورت حال کی عکاسی
(c) حسن و فن کاری کی تحسین
(d) اخلاقیات

(50) تامل، کنڑی، گونڈی اور تلگو کا تعلق کس خاندان السنہ سے ہے؟

(a) دراوڑی
(b) ملایا
(c) ہندیوروپی
(d) ہند آریائی

Practice Set-1 سوالوں کا حل

1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
b	c	c	d	c	a	c	d	b	a
11	12	13	14	15	16	17	18	19	20
b	d	b	d	c	b	a	b	d	b
21	22	23	24	25	26	27	28	29	30
c	a	c	b	b	b	c	b	c	d
31	32	33	34	35	36	37	38	39	40
d	d	b	c	d	d	d	c	d	b
41	42	43	44	45	46	47	48	49	50
c	b	c	d	a	c	d	d	c	a

PRACTICE SET- 2

(1) ولی کو اردو شاعری کا باوا آدم کس نے کہا ہے؟

(a) محمد حسین آزاد
(b) لالہ سری رام
(c) حالی
(d) شبلی

(2) غالب ''بے رنگ من است'' کسے کہتے ہیں؟

(a) اپنے قصیدوں کو
(b) اپنے فارسی کلام کو
(c) اپنے اردو کلام کو
(d) اپنے مکتوبات کو

(3) اردو کا پہلا صاحب فکر شاعر کون ہے؟

(a) میر تقی میر
(b) مرزا محمد رفیع سودا
(c) مرزا غالب
(d) علامہ اقبال

(4) مومن کی غزلوں میں کون سی خصوصیت پائی جاتی ہے؟

(a) سوز و گداز
(b) نازک خیالی
(c) فلسفہ طرازی
(d) یاسیت

(5) فانی کا پورا نام کیا ہے؟

(a) شوکت علی خاں
(b) علی سکندر
(c) عبدالمنان
(d) شمس الدین

(6) بقول شبلی مثنوی کا سب سے پہلا شاعر کون ہے؟

(a) سعد سلیمان
(b) رودکی
(c) نصرتی
(d) غواصی

(7) "سیف الملوک وبدیع الجمال" کا مصنف کون ہے؟

(a) وجہی (b) نصرتی
(c) غواصی (d) مقیمی

(8) قصیدہ کس لفظ سے مشتق ہے؟

(a) قاصد (b) قصد
(c) مقصد (d) مقصود

(9) تمام مصرے برابر ہوں لیکن قافیہ نہ ہو، کون سی نظم کہلاتی ہے؟

(a) آزاد نظم (b) پابند نظم
(c) ترجیع بند (d) نظم معریٰ

(10) "دین وسیاست" کس کی نظم ہے؟

(a) اکبرالہ آبادی (b) چکبست
(c) اقبال (d) حالی

(11) "سیف وسبو" کس کا مجموعہ کلام ہے؟

(a) جوش (b) مجاز
(c) فیض (d) سردار جعفری

(12) اردو کا باغی شاعر کسے کہا جاتا ہے؟

(a) اسرار الحق مجاز (b) یگانہ
(c) جذبی (d) مخدوم

(13) نظم میں کون سی صنف داستان سے قریب ہے؟

(a) مرثیہ (b) مثنوی
(c) قصیدہ (d) ہائیکو

(14) "امراؤ جان ادا" کا موضوع کیا ہے؟

(a) دلی کی تاریخ (b) کشمیر کی تہذیبی تاریخ
(c) لکھنؤ کا معاشرتی زوال (d) عہد مغلیہ کی تاریخ

(15) "غبن" کا مصنف کون ہے؟

(a) پریم چند (b) سجاد ظہیر
(c) راشد الخیری (d) قرۃ العین حیدر

(16) "ہم وحشی ہیں" کس کا افسانہ ہے؟

(a) حیات اللہ انصاری (b) کرشن چندر
(c) راجندر سنگھ بیدی (d) عزیز احمد

(17) "سیاہ حاشیے" کس کا افسانوی مجموعہ ہے؟

(a) انتظار حسین (b) عصمت چغتائی
(c) سعادت حسن منٹو (d) اختر انصاری

(18) "اندر سبھا کا مرکزی کردار کون ہے؟

(a) سبز پری (b) نیلم پری
(c) لال پری (d) بہرام

(19) اردو نثری ادب میں مضمون نگاری کا موجد کون ہے؟

(a) مرزا غالب (b) سر سید احمد خاں
(c) مولوی ذکاءاللہ (d) حیدر بخش حیدری

(20) "الفاروق" کی صنفی حیثیت کیا ہے؟

(a) سوانح (b) تاریخ
(c) خودنوشت (d) خاکہ

(21) "موازنہ انیس ودبیر" کا مصنف کون ہے؟

(a) مولوی چراغ علی (b) کلیم الدین احمد
(c) حالی (d) شبلی

(22) رشید احمد صدیقی کی سنہ وفات کیا ہے؟

(a) ۱۹۶۰ء (b) ۱۹۶۹ء
(c) ۱۹۷۷ء (d) ۱۹۸۴ء

(23) "اندازے" کس کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے؟

(a) یوسف حسین خاں (b) آل احمد سرور
(c) فراق گورکھپوری (d) رشید احمد صدیقی

(24) "گنجہائے گرانمایہ" کا مصنف کون ہے؟

(a) شوکت تھانوی (b) رشید احمد صدیقی
(c) پطرس بخاری (d) محمد طفیل

(25) "ذوق ادب اور شعور" کا مصنف کون ہے؟

(a) احتشام حسین (b) آل احمد سرور
(c) کلیم الدین احمد (d) مجنوں گورکھپوری

(26) خمریات کی شاعری میں کس کو امتیاز حاصل ہے؟

(a) اصغر گونڈوی (b) ریاض خیر آبادی
(c) فراق گورکھپوری (d) جگر مراد آبادی

(27) "مصورِ غم" کس کو کہا جاتا ہے؟

(a) راشد الخیری (b) عبدالحلیم شرر
(c) رتن ناتھ سرشار (d) نذیر احمد

(28) "شعر العجم" کا تعلق کس صنف سے ہے؟

(a) سوانح (b) انشائیہ
(c) تنقید (d) قصیدہ

(29) محمد قلی قطب شاہ کا سنہ وفات کیا ہے؟

(a) ۱۵۹۱ء (b) ۱۶۱۱ء
(c) ۱۶۳۱ء (d) ۱۶۵۱ء

(30) "مرزا ظاہر دار بیگ" کا کردار کس ناول میں ملتا ہے؟

(a) توبۃ النصوح (b) امراؤ جان ادا
(c) گؤدان (d) فردوس بریں

(31) "خاک وطن" کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(a) فیض (b) جوش
(c) ن۔م۔راشد (d) چکبست

(32) عملی تنقید کے اچھے نمونے کس نقاد نے پیش کئے ہیں؟

(a) آل احمد سرور (b) احتشام حسین
(c) حالی (d) آزاد

(33) مقفّٰی و مسجّع عبارت کے نمونے کس کتاب میں زیادہ ملتے ہیں؟

(a) باغ وبہار (b) غبار خاطر
(c) نیرنگ خیال (d) فسانۂ عجائب

(34) نظم خضر راہ کا موضوع کیا ہے؟

(a) مسلمانوں کی اصلاح (b) تاریخ اسلام
(c) دور حاضر پر تبصرہ (d) سوانح حضرت خضر

(35) "اشتراکیت کا نقیب" کس شاعر کو کہا جاتا ہے؟

(a) مخدوم محی الدین　　(b) جوش

(c) اختر شیرانی　　(d) فراق

(36) "شاعری انکشاف ذات ہے" کس نقاد کا قول ہے؟

(a) عبدالقادر سروری　　(b) عبدالرحمٰن بجنوری

(c) اختر رائے پوری　　(d) خواجہ احمد فاروقی

(37) اردو کے "عناصر خمسہ" میں کس کا شمار ہوتا ہے؟

(a) ڈپٹی نظیر احمد　　(b) رجب علی بیگ سرور

(c) سرشار　　(d) محسن الملک

(38) "مسدس حالی" کس کی فرمائش پر لکھی گئی؟

(a) شبلی　　(b) نذیر احمد

(c) سرسید　　(d) محمد حسین آزاد

(39) "ساختیات پس ساختیات" کا مصنف کون ہے؟

(a) پروفیسر محمد حسن　　(b) پروفیسر گوپی چند نارنگ

(c) پروفیسر خواجہ احمد فاروقی　　(d) پروفیسر نثار احمد فاروقی

(40) ادبی پراکرت کی کتنی خاص شکلیں ہیں؟

(a) دو　　(b) چار

(c) پانچ　　(d) سات

(41) تجنیس ایسے الفاظ میں ہوتی ہے جو

(a) صورت میں مختلف اور معنی میں یکساں ہوں

(b) صورت اور معنی میں مختلف ہوں

(c) صورت اور معنی میں یکساں ہوں

(d) صورت میں مشابہ اور معنی میں مختلف ہوں

(42) "زندان نامہ"

(a) ناول ہے　　(b) شعری مجموعہ ہے

(c) سوانح ہے　　(d) برطانوی مظالم کی داستان ہے

(43) "فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا، نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور لا الٰہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر" کس کا قول ہے؟

(a) سرسید　　(b) ابوالکلام آزا

(c) مولانا محمد علی　　(d) شبلی نعمانی

(44) آ غیرت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقش دوئی مٹا دیں

اس شعر میں نقش دوئی سے کیا مراد ہے؟

(a) سماجی اختلافات　　(b) مذہبی اختلافات

(c) سیاسی اختلافات　　(d) لسانی اختلافات

(45) "سخندان فارس" کا مصنف کون ہے؟

(a) مہدی افادی　　(b) مولوی عبدالحق

(c) محمد حسین آزاد　　(d) وحید الدین سلیم

(46) تحریک نظم کی تاریخ میں کس انگریز افسر کا ذکر ضروری ہے؟

(a) جان گل کرائسٹ　　(b) سر ولیم میور

(c) گراہم بیلی　　(d) کرنل ہالرائڈ

(47) خطوط غالب کا پہلا مجموعہ

(a) عود ہندی ہے　　(b) اردوئے معلیٰ ہے

(c) خطوط غالب ہے　　(d) مکاتیب غالب ہے

(48) مسعود حسین خاں نے ہندوستان کے کس علاقے کو اردو زبان کا گہوارہ بتلایا ہے؟

(a) پنجاب — (b) نواح دہلی

(c) دکن — (d) سندھ

(49) اصلاح زبان کی تحریک سے کس شاعر کا تعلق تھا؟

(a) غالب — (b) میر حسن

(c) شیفتہ — (d) ناسخ

(50) کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی......اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

(a) لف و نشر — (b) تلمیح

(c) تجاہل عارفانہ — (d) تضاد

Practice Set-2 سوالوں کا حل									
1 a	2 c	3 c	4 b	5 a	6 b	7 c	8 b	9 d	10 c
11 a	12 d	13 b	14 c	15 a	16 b	17 c	18 a	19 b	20 a
21 d	22 c	23 c	24 b	25 a	26 b	27 a	28 c	29 b	30 a
31 d	32 b	33 d	34 c	35 a	36 b	37 a	38 c	39 b	40 c
41 d	42 b	43 a	44 b	45 c	46 d	47 a	48 b	49 d	50 b

PRACTICE SET- 3

(1) غزل کا ہر شعر معنوی اعتبار سے ہوتا ہے؟

(a) جداگانا — (b) بے ربط

(c) مسلسل — (d) پیچیدہ

(2) امیر اور داغ کے بعد غزل کی روایت کو کس نے آگے بڑھایا؟

(a) مجروح — (b) فانی

(c) حسرت — (c) جگر

(3) قطب مشتری کا مصنف کون ہے؟

(a) قلی قطب شاہ — (b) غواصی

(c) نصرتی — (d) وجہی

(4) انیس کا پورا نام کیا ہے؟

(a) میر شجاعت علی — (b) میر قاظم علی

(c) میر ببر علی — (d) میر انور علی

(5) "زہے نشاط اگر کیجئے اسے تحریر" کس کا قصیدہ ہے؟

(a) سودا — (b) ذوق

(c) مومن — (d) غالب

(6) "مسجد قرطبہ" کس کی نظم ہے؟

(a) چکبست — (b) نظیر

(c) جوش — (d) اقبال

(7) "فکر و نشاط" کس کا مجموعہ کلام ہے؟

(a) جوش (b) فیض

(c) مخدوم (d) سرور جہاں آبادی

(8) اردو میں ناول لفظ کس زبان سے آیا ہے؟

(a) فرانسیسی (b) اطالوی

(c) برطانوی (d) جرمن

(9) "کار جہاں دراز ہے" کا مصنف کون ہے؟

(a) عصمت (b) جیلانی بانو

(c) خدیجہ مستور (d) قرۃ العین حیدر

(10) "سندر لال" کس افسانہ کا کردار ہے؟

(a) لاجونتی (b) شاردا

(c) غبن (d) بالکونی

(11) افسانہ "تائی ایسری" کا مصنف کون ہے؟

(a) سعادت حسن منٹو (b) راجندر سنگھ بیدی

(c) غلام عباس (d) کرشن چندر

(12) ڈرامہ اردو میں کس زبان کے توسط سے آیا؟

(a) یونانی (b) انگریزی

(c) سنسکرت (d) فارسی

(13) "سلور کنگ" کا مرکزی کردار ہے؟

(a) نیک پروین (b) افضل

(c) منیر (d) بابو گوپی ناتھ

(14) "تہذیب الاخلاق" کس نے نکالا؟

(a) مہدی افادی (b) سر سید

(c) حسرت موہانی (d) محمد حسین آزاد

(15) "کالی شلوار" کا مصنف کون ہے؟

(a) کرشن چندر (b) عزیز احمد

(c) سعادت حسن منٹو (d) عصمت

(16) مثنوی فنی لحاظ سے ہوتی ہے؟

(a) بیانیہ (b) پیچیدہ

(c) غیر مربوط (d) مختصر

(17) "حیات جاوید" کس کی تصنیف ہے؟

(a) آزاد (b) شبلی

(c) اقبال (d) حالی

(18) نفسیاتی تنقید کو اردو میں متعارف کرانے کا سہرا کس کے سر ہے؟

(a) اختر رائے پوری (b) میراجی

(c) محمد حسن (d) سجاد ظہیر

(19) اردو کے اہم اور متنازعہ نقاد کے طور پر پہچانے جاتے ہیں؟

(a) محمد حسن عسکری (b) عندلیب شادانی

(c) کلیم الدین احمد (d) فراق گورکھپوری

(20) "نیرنگ خیال" کے مضامین کس زبان سے مستفید ہیں؟

(a) انگریزی (b) فارسی

(c) عربی (d) لاطینی

(21) نظم "اس نظم میں" کا مصنف کون ہے؟

(a) سردار جعفری (b) ن۔م۔راشد

(c) مخدوم (d) میراجی

(22) کن شاعروں کے دور کو "اردو شاعری کا عہد زریں" کہا جاتا ہے؟

(a) آتش و ناسخ (b) ذوق و غالب

(c) میر و سودا (d) انشاو مصحفی

(23) "جو درجہ میر کا شاعری میں ہے وہی میر امن کا اردو نثر میں ہے۔" یہ قول کس کا ہے؟

(a) مولوی عبدالحق (b) سر سید

(c) حالی (d) رشید احمد صدیقی

(24) ڈاکٹر اقبال کے والد کا نام کیا ہے؟

(a) شیخ محمد (b) نور محمد

(c) نذر محمد (d) فتح محمد

(25) "خمخانۂ جاوید" کس کی تصنیف ہے؟

(a) سر سید (b) محمد حسین آزاد

(c) پنڈت دتاتریا کیفی (d) لالہ سری رام

(26) "جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں"...... یہ قول کس کا ہے؟

(a) شبلی (b) سر سید

(c) محمد حسین آزاد (d) منشی ذکااللہ

(27) اردو کے پہلے اخبار کا نام تھا؟

(a) جام جہاں نما (کلکتہ) (b) شمس الاخبار (کلکتہ)

(c) آگرہ اخبار (آگرہ) (d) دہلی اردو اخبار (دہلی)

(28) مخدوم کس کتاب کے مصنف ہیں؟

(a) دست صبا (b) سیف و سبو

(c) تلخیاں (d) سرخ سویرا

(29) "ہم نفسان رفتہ" کی صنفی حیثیت کیا ہے؟

(a) سوانح (b) خاکہ

(c) تنقید (d) انشائیہ

(30) "سب رس" کا سن تصنیف کیا ہے؟

(a) ۹۹۰ھ (b) ۱۱۱۱ھ

(c) ۱۰۱۸ھ (d) ۱۰۴۵ھ

(31) رانی کیتکی کی کہانی کا اہم وصف

(a) فارسی عناصر سے عاری ہونا (b) فارسی عناصر سے مملو ہونا

(c) فارسی محاورات کا کثیر استعمال (d) فارسی داستانوں کا ہو بہو چربہ ہونا

(32) سوز و گداز اور اثر آفرینی کے نقطۂ نظر سے کس کا کلام سرفہرست جگہ پائے گا؟

(a) ولی (b) میر

(c) مومن (d) غالب

(33) مندرجہ ذیل میں سے کون سی مثنوی توضیحی (DESCRIPTIVE) ہے؟

(a) دریائے عشق (b) بحر المحبت

(c) مثنوی در تعریف شہر سورت (d) پھول بن

(34) میر انیس کہاں پیدا ہوئے؟

(a) لکھنؤ (b) فیض آباد

(c) دہلی (d) مرشد آباد

(35) مرزا دبیر کس کے شاگرد تھے؟

(a) ناسخ (b) سودا

(c) ضمیر (d) مصحفی

(36) "غبار خاطر" کے خطوط کس کے نام لکھے گئے ہیں؟

(a) حبیب الرحمٰن خاں (b) حسرت موہانی

(c) گاندھی جی (d) جواہر لال نہرو

(37) "روایت اور بغاوت" کس کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے؟

(a) خورشید الاسلام (b) آل احمد سرور

(c) احتشام حسین (d) خواجہ احمد فاروقی

(38) کس کے کلام کو شمال اور جنوب کے درمیان لسانی وادبی پل قرار دیا گیا ہے؟

(a) وجہی (b) ولی

(c) میر (d) نصرتی

(39) ماگدھی کس علاقے میں بولی جاتی تھی؟

(a) نواح دہلی (b) الہ آباد

(c) متھرا (d) بہار

(40) غالب نے مکتوب نگاری میں نیا انداز کب شروع کیا؟

(a) ۱۸۴۰ء (b) ۱۸۴۶ء

(c) ۱۸۵۱ء (d) ۱۸۶۰ء

(41) علم عروض میں آٹھ دفعہ "مُتَفاعِلُنْ" کی گردان کہلاتی ہے؟

(a) بحر متقارب (b) بحر وافر

(c) بحر رمل (d) بحر کامل

(42) فانی کو "یاسیات کا امام" کس نے قرار دیا ہے؟

(a) آل احمد سرور (b) کلیم الدین احمد

(c) رشید احمد صدیقی (d) فراق گورکھپوری

(43) رسالہ "آجکل" کے مدیر کا نام ہے؟

(a) محبوب الرحمٰن فاروقی (b) ڈاکٹر محمد سلطان انجم

(c) اسرار سلطانپوری (d) عزیز بگھروی

(44) رسالہ "نگار" کہاں سے شائع ہوتا تھا؟

(a) الہ آباد (b) پنجاب

(c) لاہور (d) دہلی

(45) اردو کا فرانسیسی عالم مصنف کون ہے؟

(a) گل کرائسٹ (b) گارساں دتاسی

(c) جان پلیٹس (d) کیٹلر

(46) دلّی کالج کا قیام کس سال عمل میں آیا؟

(a) ۱۸۰۰ء (b) ۱۸۰۹ء

(c) ۱۸۱۷ء (d) ۱۸۲۵ء

(47) "کربل کتھا" کس صدی کی تصنیف ہے؟

(a) سولہویں (b) سترہویں

(c) اٹھارہویں (d) انیسویں

(48) سامی النسل زبانوں میں شبلی نعمانی نے کسے سب سے زیادہ قدیم بتایا ہے؟

(a) عبرانی (b) سریانی

(c) کلدانی (d) عربی

(49) بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے..... کوئی بیتاب تہہ خاک میں تڑپتا ہوگا
اس شعر میں شاعر نے کس صنعت کا استعمال کیا ہے؟

(a) تجاہل عارفانہ (b) حسن تعلیل

(c) براعت استہلال (d) ایہام

(50) اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں..... تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے؟
اس شعر میں اقبال نے "مجذوب فرنگی" کسے کہا ہے؟

(a) برگساں (b) چیخوف

(c) نطشے (d) آرنلڈ

Practice Set-3 سوالوں کا حل									
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
a	c	d	c	b	d	a	c	d	a
11	12	13	14	15	16	17	18	19	20
d	b	a	b	c	a	d	b	c	a
21	22	23	24	25	26	27	28	29	30
d	c	a	b	d	b	a	d	b	d
31	32	33	34	35	36	37	38	39	40
a	b	d	b	c	a	c	b	d	b
41	42	43	44	45	46	47	48	49	50
d	c	a	c	b	d	c	d	b	c

PRACTICE SET- 4

(1) "مرزا نوشہ" کس کا لقب تھا؟

(a) مومن (b) غالب

(c) ذوق (d) داغ

(2) نگار کس نے جاری کیا تھا؟

(a) نیاز فتحپوری (b) مجنوں گورکھپوری

(c) سجاد حیدر یلدرم (d) عبدالحلیم شرر

(3) "گلشن عشق" کا مصنف کون ہے؟

(a) وجہی (b) ابن نشاطی

(c) شوقی (d) نصرتی

(4) ڈاکٹر رشید جہاں کے افسانے کس کتاب میں شامل ہیں؟

(a) ترقی پسند ادب (b) روشنائی

(c) انگارے (d) ادب اور سماج

(5) سجاد ظہیر کی کون سی کتاب ہے؟

(a) اپنے دکھ مجھے دے دو (b) انار کلی

(c) نیرنگ خیال (d) روشنائی

(6) "مصور غم" کس مصنف کو کہا جاتا ہے؟

(a) میر تقی میر (b) راشد الخیری

(c) فانی بدایونی (d) اکبر الہ آبادی

(7) ترتیب زمانی کے اعتبار سے صحیح پر نشان لگایئے۔

(a) ہاشمی بیجاپوری (b) نصرتی

(c) ابن نشاطی (d) قلی قطب شاہ

(8) ''افکار غالب'' کا مصنف کون ہے؟

(a) خلیفہ عبدالحکیم (b) شوکت سبزواری

(c) عبدالرحمٰن بجنوری (d) عبدالسلام ندوی

(9) فورٹ ولیم کالج کی سب سے مشہور کتاب کون سی ہے؟

(a) فسانۂ عجائب (b) نوطرز مرصع

(c) انشائے بے خبر (d) باغ و بہار

(10) محمد حسین آزاد کس کے شاگرد تھے؟

(a) غالب (b) ذوق

(c) شاہ نصیر (d) مومن

(11) ''باغ و بہار'' کہاں لکھی گئی؟

(a) لکھنؤ (b) دہلی

(c) کلکتہ (d) رام پور

(12) ''الہلال'' کس نے جاری کیا تھا؟

(a) محمد علی جوہر (b) ابوالکلام آزاد

(c) مولوی محمد باقر (d) حسرت موہانی

(13) ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' کس کی مثنوی ہے؟

(a) غواصی (b) وجہی

(c) ابن نشاطی (d) حسن شوقی

(14) مغربی ہندی کی بولیوں میں کون سی بولی شامل نہیں ہے؟

(a) کھڑی بولی (b) ہریانی

(c) اودھی (d) قنوجی

(15) تغزل سے کس کا تعلق نہیں ہے؟

(a) ابہام (b) نغمگی

(c) سوز و گداز (d) جزالت

(16) ''طلوع اسلام'' کس کی نظم ہے؟

(a) حالی (b) اقبال

(c) جوش (d) سردار جعفری

(17) ''گزشتہ لکھنؤ'' کس کی تصنیف ہے؟

(a) رجب علی بیگ سرور (b) رتن ناتھ سرشار

(c) مرزا رسوا (d) عبدالحلیم شرر

(18) ''زنداں نامہ'' کس کی تصنیف ہے؟

(a) مجاز (b) فیض

(c) جذبی (d) مخدوم

(19) غزل گوئی سے غیر متعلق کون سی اصطلاح ہے؟

(a) قافیہ (b) اطناب

(c) اجمال (d) ابہام

(20) مندرجہ ذیل میں انمل کتاب کون سی ہے؟

(a) دست تہہ سنگ (b) بساط رقص

(c) نقش فریادی (d) نیرنگ خیال

(21) استعارے میں ارکانِ تشبیہ سے کون سا لفظ استعمال ہوتا ہے؟

(a) مشبہ　(b) مشبہ بہ

(c) وجہ شبہ　(d) حرف تشبیہ

(22) داستان کی وہ خصوصیت جو اسے ناول سے الگ کرتی ہے؟

(a) مخصوص سماجی حالات　(b) مخصوص واقعات

(c) کردار نگاری　(d) فوق فطری عناصر

(23) مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں

(a) کوئی واقعہ یا جذبہ تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہو

(b) کسی بادشاہ کا قصہ بیان کیا گیا ہو

(c) عشقیہ جذبات کا اظہار کیا گیا ہو

(d) جنگ کا بیان کیا گیا ہو

(24) تجریدی افسانہ۔

(a) حقیقت سے زیادہ رومان پر زور دیتا ہو

(b) جمالیاتی تجربات کو پیش کرتا ہے

(c) تخیل آفرینی کی عمدہ مثال ہوتا ہے

(d) کہانی سے بے نیاز ہوتا ہے

(25) "اردو غزل کو نیم وحشی صنف سخن" کس نے لکھا ہے؟

(a) رشید احمد صدیقی　(b) آل احمد سرور

(c) رشید حسن خاں　(d) کلیم الدین احمد

(26) "کس نے کہا تھا کہ "ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا"

(a) سجاد ظہیر　(b) اختر حسین رائے پوری

(c) پریم چند　(d) فراق گورکھپوری

(27) ادب برائے زندگی کس کا نقطہ نظر تھا؟

(a) وہابی تحریک　(b) جدیدیت

(c) ترقی پسند تحریک　(d) حلقۂ ارباب ذوق

(28) یادوں کی برات کس نے لکھی؟

(a) فیض　(b) فراق

(c) جوش　(d) مجاز

(29) آتش گل، کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(a) حسرت　(b) فانی

(c) اصغر　(d) جگر

(30) "دبستان دلی" کا مصنف کون ہے؟

(a) رشید احمد صدیقی　(b) نورالحسن ہاشمی

(c) ابواللیث صدیقی　(d) مجنوں گورکھپوری

(31) ہند آریائی سے کس کا تعلق نہیں ہے؟

(a) براہوئی　(b) بھوجپوری

(c) اودھی　(d) بندیلی

(32) مندرجہ ذیل دو دو ناموں کے جوڑے دیئے گئے ہیں۔ تین میں جو تعلق ہے وہ چوتھے میں نہیں۔ اس کی نشاندہی کیجئے؟

(a) میر و سودا　(b) انشاؤ مصحفی

(c) میر و غالب　(d) آتش و ناسخ

(33) فسانۂ عجائب کا سنِ تصنیف کیا ہے؟

(a) ۱۸۱۶ء　(b) ۱۸۲۰ء

(c) ۱۸۲۴ء　(d) ۱۸۲۸ء

(34) قرۃ العین کی تصنیف "میرے بھی صنم خانے" کیا ہے؟

(a) داستان (b) ناول

(c) ڈرامہ (d) انشائیہ

(35) جگر مراد آبادی کے مجموعہ کلام کا نام کیا ہے؟

(a) آتش گل (b) دست صبا

(c) بال جبریل (d) میخانۂ الہام

(36) "خدا کی بستی" کا مصنف کون ہے؟

(a) پریم چند (b) کرشن چندر

(c) شوکت صدیقی (d) قرۃ العین حیدر

(37) مرزا نوشہ کس کا لقب تھا؟

(a) مرزا داغ (b) مرزا غالب

(c) مومن دہلوی (d) جرات

(38) ولی کو اردو شاعری کا "باوا آدم" کس نے قرار دیا تھا؟

(a) میر حسن (b) مصحفی

(c) محمد حسین آزاد (d) عبدالقادر سروری

(39) "فروزاں" کس کا مجموعہ کلام ہے؟

(a) جذبی (b) فیض

(c) مجاز (d) ن۔م۔راشد

(40) انشاء اللہ خان انشاء نے اردو قواعد پر کون سی کتاب لکھی؟

(a) قواعد اردو (b) مصباح القواعد

(c) دریائے لطافت (d) جدید اردو قواعد

(41) آزاد کی "آب حیات" کا کیا موضوع ہے؟

(a) افسانہ (b) اکبری عہد کی تاریخ

(c) اردو شاعری کی تاریخ (d) داستان

(42) فراق گورکھپوری کی رباعیوں کے مجموعہ کا کیا نام ہے۔

(a) گھر آنگن (b) شعلہ و شبنم

(c) روپ (d) آہنگ

(43) "شب خون" کے ذریعے کس ادبی تحریک کو فروغ ملا؟

(a) رومانوی تحریک (b) وہابی تحریک

(c) اصلاح زبان کی تحریک (d) جدیدیت کی تحریک

(44) عصمت چغتائی کے ناول کا کیا نام ہے؟

(a) انقلاب (b) شکست

(c) ٹیڑھی لکیر (d) گریز

(45) نیرنگ خیال کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟

(a) رومانوی مضامین (b) تمثیل نگاری

(c) خاکہ نگاری (d) افسانہ نگاری

(46) تکلف کیا جو کھوئی جان شیریں پھوڑ کر سر کو
جو غیرت تھی تو پھر خسرو سے ہوتا کوہکن بگڑا
اس شعر میں ایہام کی مثال کون سا لفظ ہے؟

(a) شیریں (b) خسرو

(b) غیرت (d) کوہ کن

(47) گل کا جو الم چمن چمن ہے + یوں بلبل خامہ نغمہ زن ہے
اس شعر میں "نغمہ زن ہے" کے کیا معنی ہیں؟

(a) راگ الاپ رہا ہے　　(b) فریاد کر رہا ہے

(c) گانا گا رہا ہے　　(d) لکھ رہا ہے

(48) رومان اور انقلاب کا امتزاج کس شاعر کے کلام میں ہے؟

(a) اقبال　　(b) ن۔م۔راشد

(c) جوش ملیح آبادی　　(d) احسان دانش

(49) مرزا ظاہر دار بیگ کس کتاب کا کردار ہے؟

(a) توبۃ النصوح　　(b) فسانہ آزاد

(c) امراؤ جان ادا　　(d) رویائے صادقہ

(50) غالب کا سن وفات کیا ہے؟

(a) ۱۸۶۷ء　　(b) ۱۸۶۹ء

(c) ۱۸۷۰ء　　(d) ۱۸۷۲ء

Practice Set-4 سوالوں کا حل									
1 b	2 a	3 d	4 c	5 d	6 b	7 b	8 a	9 d	10 c
11 c	12 b	13 a	14 d	15 a	16 b	17 a	18 b	19 b	20 d
21 b	22 d	23 a	24 d	25 d	26 c	27 c	28 c	29 d	30 b
31 b	32 c	33 d	34 b	35 a	36 c	37 b	38 c	39 a	40 c
41 c	42 c	43 d	44 c	45 b	46 d	47 b	48 c	49 a	50 b

PRACTICE SET- 5

(1) "شیخ وجودی" کس ناول کا کردار ہے؟

(a) فسانہ آزاد　　(b) توبۃ النصوح

(c) شریف زادہ　　(d) فردوس بریں

(2) ناسخ کا نام کیا ہے؟

(a) شیخ قلندر بخش　　(b) شیخ امام بخش

(c) غلام ہمدانی　　(d) شیخ ابراہیم

(3) ذیل کے شعرا میں مرثیہ گوئی کی روایت کس کے خاندان سے وابستہ ہے؟

(a)مرزا دبیر　　(b) رنگین

(c) میر انیس　　(d) مرزا بیجاپوری

(4) "دکن میں اردو" کا مصنف کون ہے؟

(a) نصیر الدین ہاشمی　　(b) اختر اورینوی

(c) محی الدین قادری زور　　(d) عبدالقادر سروری

(5) انجمن ترقی اردو (ہند) کو کس کے زمانے میں عروج حاصل ہوا؟

(a) سرسید　　(b) شبلی

(c) مولوی عبدالحق　　(d) محمد علی جوہر

(6) اردو کس زبان کا لفظ ہے؟

(a)فارسی　　(d)سنسکرت

(c)عربی　　(d) ترکی

(7) "جز کہہ کر کل مراد لینا" یہ تعریف کس کے ذیل میں آتی ہے؟

(a) تشبیہ — (b) استعارہ

(c) کنایہ — (d) مجاز مرسل

(8) مرثیہ سے متعلق کون سی اصطلاح ہے؟

(a) تشبیب — (b) قافیہ

(c) رجز — (d) مطلع

(9) شورچند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا۔آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا
"شور، نمک، مزا" میں کیا فرق ہے؟

(a) حسن تعلیل — (b) رعایت لفظی

(c) ایہام — (d) تجنیس لفظی

(10) علی گڑھ تحریک کس صدی کی تحریک ہے؟

(a) اٹھارویں — (b) انیسویں

(c) بیسویں — (d) سترھویں

(11) مولا نے سر جھکا کر کہا میں حسین ہوں۔ کس کا مصرعہ ہے۔

(a) جوش — (b) فراق

(c) دبیر — (d) انیس

(12) موازنہ انیس ودبیر کس کی تصنیف ہے؟

(a) سرسید — (b) محمد حسین آزاد

(c) نذیر احمد — (d) شبلی نعمانی

(13) تعزیرات ہند کا اردو ترجمہ کس نے کیا تھا؟

(a) مرزا فرحت اللہ بیگ — (b) ماسٹر رام چندر

(c) مولوی نذیر احمد — (d) مرزا رسوا

(14) ریختہ کا لفظ کس زبان کے لیے استعمال ہوتا تھا؟

(a) پنجابی — (b) برج بھاشا

(c) اردو — (d) ہریانوی

(15) پریم چند کا نرملا کیا ہے؟

(a) ڈرامہ — (b) افسانہ

(c) داستان — (d) ناول

(16) رسالہ "زمانہ" کس نے جاری کیا تھا؟

(a) پریم چند — (b) منشی دیانرائن نگم

(c) فراق گورکھپوری — (d) سدرشن

(17) "خطبات احمدیہ" کا مصنف کون ہے؟

(a) مولوی نذیر احمد — (b) سرسید

(c) شبلی — (d) نواب محسن الملک

(18) انگارے کس کا مجموعہ ہے؟

(a) غزلوں — (b) نظموں

(c) افسانوں — (d) انشائیوں

(19) کس نے کہا تھا کہ "اردو پنجاب میں پیدا ہوئی"؟

(a) محمد حسین آزاد — (b) مسعود حسین خان

(c) محمود شیرانی — (d) نصیر الدین ہاشمی

(20) مسدس مد وجزر اسلام کس نے لکھی؟

(a) نظیر اکبر آبادی — (b) غالب

(c) الطاف حسین حالی — (d) اقبال

(21) انجمن ترقی پسند تحریک کا آغاز کس سنہ میں ہوا؟

(a) ۱۹۱۴ء (b) ۱۹۲۰ء

(c) ۱۹۳۶ء (d) ۱۹۶۰ء

(22) جنگ آزادی میں کس اردو ادیب نے سب سے زیادہ حصہ لیا؟

(a) سلطان حیدر جوش (b) عبدالحلیم شرر

(c) ابوالکلام آزاد (d) پریم چند

(23) جدید اردو غزل کو سمت و رفتار کس نے عطا کی؟

(a) اقبال (b) حسرت

(c) جوش ملیح آبادی (d) سردار جعفری

(24) جدید اردو ادب میں ناولٹ کس نے لکھا؟

(a) پریم چند (b) خواجہ احمد عباس

(c) راجندر سنگھ بیدی (d) مہندر ناتھ

(25) جرأت کا نام کیا ہے؟

(a) شیخ محی الدین (b) سید اکبر الدین

(c) قلندر بخش (d) شیخ امام بخش

(26) مدرسۃ العلوم کس نے قائم کیا؟

(a) شبلی (b) حالی

(c) محسن الملک (d) سرسید

(27) دکن کی پہلی نثری تصنیف کون سی ہے؟

(a) سب رس (b) کلمۃ الحقائق

(c) کلمۃ الاسرار (d) معراج العاشقین

(28) لفظ مرثیہ کس زبان کا ہے؟

(a) عربی (b) فارسی

(c) ترکی (d) ہندی

(29) جوش کا پورا نام کیا ہے؟

(a) سید حسن (b) محمد حسین

(c) اکبر حسین خان (d) شبیر حسن خان

(30) اردوئے معلیٰ کے مدیر کون تھے؟

(a) فانی (b) جگر

(b) امیر مینائی (d) حسرت موہانی

(31) نفسیاتی تنقید میں ادب کا مطالعہ۔

(a) معاشرتی حالات کی روشنی میں ہوتا ہے

(b) اقتصادی حالات کی روشنی میں ہوتا ہے

(c) جذبات انسانی کی کشمکش کی روشنی میں ہوتا ہے

(d) سیاسی حالات کی روشنی میں ہوتا ہے

(32) اپ بھرنش کون سی زبان ہے؟

(a) آریاؤں کے ساتھ آنے والی زبان

(b) چھٹی صدی کے بعد آریائی کی ارتقائی شکل

(c) دراویدی اور آریائی کے امتزاج سے پیدا ہونے والی زبان

(d) مسلمانوں کی آمد کے بعد پیدا ہونے والی زبان

(33) تشبیہ کسے کہتے ہیں؟

(a) ایک چیز کو دوسری سے تشبیہ دینا

(b) ایک چیز کو دوسری چیز کے مماثل بتانا

(c) کسی مشترک صفت کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ بتانا

(d) کسی مشترک واقعہ کی بنا پر ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ بتانا

(34) مندرجہ ذیل میں علم بیان سے متعلق کون سا لفظ ہے؟

(a) تضاد (b) تجنیس

(c) تکرار (d) تشبیہ

(35) الفت گل سے غلط ہے دعوئ وارستگی + سرو ہے باصف آزادی گرفتار چمن

اس شعر میں "دعوئ وارستگی" کے معنی ہیں

(a) دعوئ آزادی (b) دعوئ شیفتگی

(c) دعوئ عشق (d) دعوئ جاں نثاری

(36) نہ دیکھا جو کچھ (۱) جام میں جم نے اپنے (۲)

ہر اک قطرہ مے میں (۳) ہم دیکھتے ہیں (۴)

اس شعر کے کس حصے میں تلمیح ہے؟

(a) ۱ (b) ۲

(c) ۳ (d) ۴

(37) فسانۂ آزاد کے بارے میں کون سی بات درست ہے؟

(a) یہ محمد حسین آزاد کی سوانح حیات ہے۔

(b) یہ آزاد کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔

(c) یہ بہت مربوط پلاٹ کا ناول ہے۔

(d) اس میں لکھنؤ کی تہذیب کی عکاسی ہے۔

(38) اردو نثر کا آغاز کس ادارے میں ہوا؟

(a) ایم۔اے۔او۔کالج (b) فورٹ ولیم کالج

(c) دہلی کالج (d) عثمانیہ یونیورسٹی

(39) اردو کا منصب کیا ہے؟

(a) ہندوستان کی قومی زبان (b) ہندوستان کی سرکاری زبان

(c) ہندوستان کی ثانوی زبان (d) سرکاری رابطہ کی زبان

(40) تشبیہ اور استعارے میں گہرا تعلق یہ ہے کہ استعارے میں

(a) مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیا جاتا ہے۔

(b) مشبہ بہ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

(c) مشبہ مشبہ بہ قرار دیا جاتا ہے۔

(d) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

(41) "چ" کو کس کی کلیدی شناخت بتایا گیا ہے؟

(a) دکنی (b) برج بھاشا

(c) ہریانی (d) بندیلی

(42) ولی شمالی ہند کے کس بادشاہ کا ہم عصر ہے؟

(a) اکبر (b) تغلق

(c) اورنگ زیب (d) ہمایوں

(43) ملک الشعراء کا خطاب کسے عطا ہوا؟

(a) غالب (b) ذوق

(c) انشاء (d) مصحفی

(44) قصیدے کے ابتدائی اشعار کے لیے ادبی اصطلاح کیا ہے؟

(a) گریز (b) سراپا

(c) مطلع (d) تشبیب

(45) سائنٹفک سوسائٹی کس نے قائم کی؟

(a) سرسید (b) شبلی

(c) محمد حسین آزاد (d) الطاف حسین حالی

(46) جدید تنقید کی اولین کتاب کون سی ہے؟

(a) آب حیات (b) اردو شاعری پر ایک نظر

(c) مقدمۂ شعر و شاعری (d) محاسن کلام غالب

(47) "شاعر بے دماغ" کسے قرار دیا گیا؟

(a) مصحفی　　(b) سودا

(c) ناسخ　　(d) میر تقی میر

(48) پریم چند کا اصل نام کیا تھا؟

(a) برج نرائن　　(b) منشی پریم دیا نرائن

(c) برج موہن　　(d) دھنپت رائے

(49) لے گئے تثلیث کے فرزند (۱)　　میراث خلیل (۲)

خشت بنیاد کلیسا (۳)　　بن گئی خاک حجاز (۴)

شعر چار حصوں میں تقسیم ہے۔ "شرک" کے مترادف لفظ کس حصے میں استعمال ہوا ہے۔

(a) ۲　　(b) ۴　　(c) ۳　　(d) ۱

(50) ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات

ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

اس شعر میں ملتِ بیضا سے مراد ہے۔

(a) سفید فام قوم　　(b) مسلمان　　(c) ایرانی　　(d) چینی

Practice Set-5 سوالوں کا حل

1 d	2 b	3 c	4 a	5 c	6 d	7 d	8 c	9 b	10 b
11 a	12 d	13 b	14 c	15 d	16 b	17 b	18 c	19 c	20 c
21 c	22 c	23 b	24 b	25 c	26 d	27 d	28 a	29 d	30 d
31 c	32 c	33 b	34 d	35 d	36 b	37 d	38 b	39 c	40 c
41 b	42 c	43 b	44 d	45 a	46 c	47 d	48 d	49 c	50 a

PRACTICE SET- 6

(1) "آدمی نامہ" کس کی شعری تخلیق ہے؟

(a) اکبر الہ آبادی　　(b) میکش اکبر آبادی

(c) نظیر اکبر آبادی　　(d) شاد عظیم آبادی

(2) بحث و تکرار کس کا مضمون ہے؟

(a) حالی　　(b) شبلی

(c) ڈپٹی نذیر احمد　　(d) سر سید

(3) "غزل کو اردو شاعری کی آبرو" کس نے قرار دیا ہے؟

(a) کلیم الدین احمد　　(b) رشید احمد صدیقی

(c) احتشام حسین　　(d) ڈاکٹر سید عبداللہ

(4) سر سید اور اردو لٹریچر کس کا مضمون ہے؟

(a) راشد الخیری　　(b) مرزا فرحت اللہ بیگ

(c) رشید احمد صدیقی　　(d) شبلی

(5) غبار خاطر کس کے خطوط کے مجموعہ کا نام ہے؟

(a) صفیہ اختر　　(b) فراق گورکھپوری

(c) ابوالکلام آزاد　　(d) نیاز فتحپوری

(6) دہلی کالج سے کون سا مصنف وابستہ تھا؟

(a) ماسٹر رام چندر　　(b) میر امن

(c) مرزا غالب　　(d) میر عطا حسین تحسین

(7) "راماین کاایک سین" کس نے لکھا؟

(a) حالی   (b) اقبال

(c) چکبست   (d) آنند نرائن ملا

(8) ترقی پسند تحریک کی رہنمائی کس نے کی؟

(a) رشید احمد صدیقی   (b) عبدالحق

(c) سجاد ظہیر   (d) مجنوں گورکھپوری

(9) ان مصنفین میں محقق کون ہے؟

(a) کلیم الدین احمد   (b) احتشام حسین

(c) رشید حسن خاں   (d) آل احمد سرور

(10) اردو کھڑی بولی سے پیدا ہوئی؟ یہ نظریہ کس کا ہے؟

(a) محمد حسین آزاد   (b) نصیر الدین ہاشمی

(c) سید سلیمان ندوی   (d) مسعود حسین خاں

(11) وجہ بے گانگی نہیں معلوم + تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

اس شعر میں کس نکتہ پر زور دیا گیا ہے؟

(a) وحدت الشہود   (b) وجودیت

(c) وحدۃ الوجود   (d) بیخودی

(12) "شعاع امید" کس کی نظم ہے؟

(a) سردار جعفری   (b) اقبال

(c) جوش ملیح آبادی   (d) نظم طباطبائی

(13) سپاٹ کردار کسے کہتے ہیں؟

(a) جو نا قابل تغیر جبلت کا حامل ہو۔   (b) جو ہمیشہ حماقت آمیز عمل کرے۔

(c) جو نہایت سادہ لوح مزاج رکھتا ہو۔   (d) جس کے عمل میں کوئی دلکشی نہ ہو۔

(14) قصیدہ وہ نظم ہے جس میں

(a) امرائے وقت کی تعریف کی گئی ہو۔   (b) بزرگان دین کی تعریف کی گئی ہو۔

(c) کسی کی مدح کی گئی ہو۔   (d) بادشاہوں کی مدح کی گئی ہو۔

(15) مثنوی گوئی میں سر فہرست کسے رکھا جا سکتا ہے؟

(a) میر تقی میر   (b) مرزا غالب

(c) سودا   (d) میر حسن

(16) قافیہ کسے کہتے ہیں؟

(a) ہم صورت الفاظ   (b) ہم معنی الفاظ

(c) ہم آہنگ الفاظ   (d) ایک جیسے الفاظ

(17) قصیدے کی ہیئت میں ضروری جز

(a) ردیف ہے   (b) قافیہ ہے

(c) اشعار کی متعین تعداد ہے   (d) ان میں سے کوئی نہیں ہے

(18) مثنوی سحر البیان

(a) خالص ہندوستانی تہذیب کی عکاسی ہے   (b) ایرانی تہذیب کی عکاس ہے

(c) ہند ایرانی تہذیب کی عکاس ہے   (d) کسی تہذیب کی عکاسی نہیں کرتی

(19) "بے نظیر" کس مثنوی کا کردار ہے۔

(a) زہر عشق   (b) خواب و خیال

(c) گلزار نسیم   (d) سحر البیان

(20) منٹو کی کہانی ٹوبہ ٹیک سنگھ، کس واقعہ سے متعلق ہے؟

(a) قحط بنگال   (b) ملاحوں کی بغاوت

(c) دوسری جنگ عظیم   (d) تقسیم ہند

(21) "آوارہ" کس کی نظم ہے؟

(a) جذبی　　(b) مجاز

(c) فیض　　(d) اخترالایمان

(22) جو دیکھیں تو ہے(۱)　　اک جوان حسین(۲)

کھڑا ہے وہ آئینہ سا(۳)　　مہ جبیں(۴)

"جوان حسین" کا مشبہ بہ کس حصے میں ہے:

(a) (۱)　　(b) (۲)　　(c) (۳)　　(d) (۴)

(23) اقتصادی مسائل کے اثرات ادب میں ضرور ہوتے ہیں۔ یہ تصور کس کی تنقید کی بنیاد ہے؟

(a) تاثراتی　　(b) نفسیاتی

(c) مارکسی　　(d) رومانی

(24) خامیوں کو نظرانداز کر کے صرف محاسن کو شدومد کے ساتھ کس تنقید میں اختیار کیا جاتا ہے؟

(a) تاریخی　　(b) تاثراتی

(c) مارکسی　　(d) سماجی

(25) چھیڑنا زلف کا(۱)　　مشاطہ برا ہوتا ہے(۲)

ہاتھ اس جرم پہ(۳)　　شانے سے جدا ہوتا ہے(۴)

اس شعر کے کس حصے میں ابہام ہے؟

(a) (۱)　　(b) (۲)　　(c) (۳)　　(d) (۴)

(26) تری کج ادائی سے ہار کے شب انتظار چلی گئی

مرے ضبط حال سے روٹھ کے مرے غمگسار چلے گئے

شعر کے مفہوم کے ساتھ مندرجہ ذیل سے کون سا بیان مناسبت رکھتا ہے؟

(a) شب ہجر ختم ہوئی اور روز وصال آگیا

(b) شب ہجر کے بعد بھی وصال نصیب نہ ہوا

(c) مرے غمگسار اس لیے ناراض ہوئے کہ میں نے برداشت کیا

(d) مرے غمگسار میرے حال خراب کی وجہ سے ناراض ہوئے

(27) ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغر عیش

ہر ایک دشت چمن، ہر چمن بہشت نظیر

بہشت نظیر کے معنی کیا ہیں؟

(a) نظیر کی بہشت　　(b) بہشت کے مانند

(c) جنت کا پھول　　(d) بہشت کا باغ

(28) غبار خاطر کا شمار ادب کی کس صنف میں کیا جاتا ہے؟

(a) ناول　　(b) افسانہ

(c) مکاتیب　　(d) داستان

(29) "گلشن ہند" کس کی تصنیف ہے؟

(a) میر　　(b) مصحفی

(c) شیفتہ　　(d) مرزا علی لطف

(30) دلی کالج کے اساتذہ میں کس کا شمار ہے؟

(a) ڈاکٹر زور　　(b) مولوی عبدالحق

(c) ماسٹر رام چندر　　(d) پروفیسر عبدالقادر سروری

(31) دارالترجمہ کس یونیورسٹی سے متعلق تھا؟

(a) علی گڑھ　　(b) عثمانیہ

(c) دلی　　(d) بنارس

(32) پنجاب میں اردو کس کی تصنیف ہے؟

(a) مسعود حسین خان　　(b) نصیرالدین ہاشمی

(c) محمود شیرانی　　(d) رام بابو سکسینہ

(33) اردو کس یونیورسٹی کاذریعہ تعلیم تھا؟

(a) ممبئی　(b) لاہور

(c) مدارس　(d) عثمانیہ

(34) شاعر مشرق کسے کہتے ہیں؟

(a) اکبرالہ آبادی　(b) نظیر اکبر آبادی

(c) اقبال　(d) جوش ملیح آبادی

(35) "شعلہ و شبنم" کس کی تصنیف ہے؟

(a) جوش　(b) فراق

(c) اخترالایمان　(d) ساحر

(36) "ساقی نامہ" اقبال کے کس مجموعہ کلام میں شامل ہے؟

(a) بانگ درا　(b) پیام مشرق

(c) ضرب کلیم　(d) بال جبریل

(37) تضحیک روزگار کا شاعر کون ہے؟

(a) میر　(b) سودا

(c) درد　(d) یقین

(38) ذوق کس بادشاہ کے دربار سے وابستہ تھے؟

(a) اسماعیل عادل شاہ　(b) بہادر شاہ ظفر

(c) فیروز شاہ بہمنی　(d) جلال الدین اکبر

(39) کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے + اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
یہ شعر کس شاعر کا ہے؟

(a) سودا　(b) ذوق

(c) میر　(d) مومن

(40) نظیر اکبر آبادی کی نظم "آدمی نامہ" کیا ہے؟

(a) مرثیہ　(b) مسدس

(c) مخمس　(d) مربع

(41) تہذیب الاخلاق کس نے جاری کیا؟

(a) مولوی نذیر احمد　(b) منشی ذکاءاللہ

(c) مرزا رسوا　(d) سرسید

(42) بوستان خیال کا مصنف کون ہے؟

(a) سراج اورنگ آبادی　(b) ملاوجہی

(c) میراثر　(d) میر فائز

(43) ذوق کی شہرت کس صنف میں ہے؟

(a) قصیدہ　(b) مثنوی

(c) رباعی　(d) مرثیہ

(44) سودا کا ہم عصر کون تھا؟

(a) ولی　(b) ذوق

(c) داغ　(d) میر

(45) میر کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) دلی　(b) اکبر آباد

(c) لکھنؤ　(d) عظیم آباد

(46) مطلع کسے کہتے ہیں؟

(a) پہلا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو۔

(b) غزل کا آخری شعر

(c) جہاں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے

(d) جب دو اشعار میں مضمون مسلسل ہو

(47) نازکی اس کے لب کی کیا کہیے + پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
اس شعر میں کون سی صنعت ہے

(a) تشبیہ (b) استعارہ
(c) کنایہ (d) مجاز مرسل

(48) "خوجی" کا کردار کس کتاب میں ملتا ہے؟

(a) فسانۂ آزاد (b) فسانۂ عجائب
(c) باغ و بہار (d) نوطرز مرصع

(49) شوکت صدیقی کس ناول کے مصنف ہیں؟

(a) آگ کا دریا (b) خدا کی بستی
(c) آنگن (d) اداس نسلیں

(50) صحیح املاء پر نشان لگائیے؟

(a) قاعدہ (b) قائدہ
(c) قاعدا (d) قایدہ

Practice Set-6 سوالوں کا حل

1 c	2 d	3 b	4 c	5 c	6 a	7 c	8 c	9 c	10 d
11 c	12 b	13 d	14 c	15 d	16 c	17 d	18 a	19 d	20 d
21 b	22 c	23 c	24 b	25 c	26 c	27 b	28 c	29 d	30 c
31 b	32 c	33 d	34 c	35 a	36 d	37 b	38 b	39 c	40 c
41 d	42 a	43 a	44 d	45 c	46 a	47 a	48 a	49 b	50 a

PRACTICE SET-7

(1) خطبات احمدیہ کا مصنف کون ہے؟

(a) نذیر احمد (b) عبدالحلیم شرر
(c) سرسید (d) رشید احمد صدیقی

(2) میرامن کہاں کے رہنے والے تھے؟

(a) لکھنؤ (b) کلکتہ
(c) حیدر آباد (d) دلی

(3) ہوری، کس ناول کا کردار ہے؟

(a) آگ کا دریا (b) ابن الوقت
(c) گئودان (d) امراؤ جان ادا

(4) دیہی زندگی پر کس نے افسانے لکھے؟

(a) سعادت حسن منٹو (b) پریم چند
(c) کرشن چندر (d) عصمت چغتائی

(5) جدید غزل میں نرم لہجے کا شاعر کون ہے؟

(a) مجروح سلطان پوری (b) اصغر گونڈوی
(c) فیض احمد فیض (d) مجاز لکھنوی

(6) قافیہ کسے کہتے ہیں؟

(a) شعر کے پہلے مصرعہ کا پہلا لفظ (b) مصرعہ ثانی کا آخری لفظ
(c) وہ لفظ جس کی تکرار ہر شعر میں ہو (d) ردیف سے قبل آنے والا لفظ

(7) قدیم دلی کالج سے کس کا تعلق تھا؟

(a) چندر بھان برہمن　(b) کشن پرشاد کول

(c) ماسٹر رام چندر　(d) کاظم علی جواں

(8) اردو لسانیات میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں؟

(a) پروفیسر محمد مجیب　(b) دیانرائن نگم

(c) پروفیسر مسعود حسین خاں　(d) پروفیسر ضامن علی

(9) مولوی محمد باقر کے اخبار کا نام کیا تھا؟

(a) ہمدرد　(b) دلی اردو اخبار

(c) الہلال　(d) انقلاب

(10) ترقی پسند تحریک کا پہلا اجلاس کس سنہ میں ہوا؟

(a) ۱۹۳۲ء　(b) ۱۹۳۸ء

(c) ۱۹۳۶ء　(d) ۱۹۳۹ء

(11) "غزل کی گردن بے تکلف ماردینی چاہیے۔" یہ قول کس کا ہے؟

(a) حالی　(b) شبلی

(c) عبدالرحمٰن بجنوری　(d) عظمت اللہ خاں

(12) سب رس کس کی تصنیف ہے؟

(a) خواجہ بندہ نواز گیسودراز　(b) ملا وجہی

(c) ولی دکنی　(d) سراج اورنگ آبادی

(13) نعت کسے کہتے ہیں؟

(a) حضرت علی کی تعریف　(b) خدا کی تعریف

(c) رسول خدا کی تعریف　(d) کسی ولی کی تعریف

(14) "اردو برج بھاشا سے پیدا ہوئی۔" یہ نظریہ کس کا ہے؟

(a) محمد حسین آزاد　(b) میر امن

(c) مسعود حسین خاں　(d) نصیرالدین ہاشمی

(15) نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا + کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
اس شعر میں کس نکتہ پر زور دیا گیا ہے؟

(a) وحدت الشہود　(b) وحدت الوجود

(c) آشوب زمانہ　(d) زندگی کی بے ثباتی

(16) شعر العجم کا مصنف کون ہے؟

(a) پریم چند　(b) امداد امام اثر

(c) شبلی　(d) سر سید

(17) مثنوی پھول بن کس کی تصنیف ہے؟

(a) نصرتی　(b) غواصی

(c) محمد قلی قطب شاہ　(d) ابن نشاطی

(18) یادگار حالی کس نے لکھی؟

(a) عبدالحق　(b) مسعود حسین خان

(c) ڈاکٹر زور　(d) صالحہ عابد حسین

(19) "بنجارہ نامہ" کس کی نظم ہے؟

(a) حالی　(b) نظیر اکبر آبادی

(c) اقبال　(d) اکبر الہ آبادی

(20) مد و جزر اسلام کا شاعر کون ہے؟

(a) شبلی　(b) محمد حسین آزاد

(c) حالی　(d) چکبست

(21) حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو
یہ شعر کس کا ہے؟

(a) فیض (b) مجروح
(c) مجاز (d) مخدوم

(22) ذکر میر کا تعلق کس صنف ادب سے ہے؟

(a) سوانح (b) تذکرہ
(c) داستان (d) مکتوب

(23) نظم جدید کے فروغ میں آزاد کے شریک کار کون ہیں؟

(a) سرسید (b) اسمٰعیل
(c) حسرت (d) حالی

(24) کس ڈراما نگار کو ہندوستان کا شیکسپئر کہا گیا ہے؟

(a) امتیاز علی تاج (b) آغا حشر
(c) امانت (d) محمد مجیب

(25) فورٹ ولیم کالج میں کون سی داستان مرتب ہوئی؟

(a) سب رس (b) فسانۂ عجائب
(c) فسانۂ آزاد (d) باغ و بہار

(26) وطنی اور قومی شاعری کے لیے کس شاعر کو امتیاز حاصل ہے؟

(a) نظیر (b) چکبست
(c) داغ (d) حسرت

(27) "دریائے عشق" کس کی مثنوی ہے؟

(a) حالی (b) شیفتہ
(c) میر (d) غالب

(28) مشتاق احمد یوسفی کی کتاب "آب گم" میں کیا ہے؟

(a) آپ بیتی (b) مکاتیب
(c) روزنامچہ (d) طنز و مزاح

(29) لیلیٰ کے خطوط کا کس صنف سے تعلق ہے؟

(a) مکتوب نگاری (b) ناول
(c) سوانح (d) خاکہ

(30) "گور غریباں" ترجمہ کس شاعر کی نظم کا ہے؟

(a) ولیم شیکسپئر (b) ٹامس گرے
(c) شیلی (d) کیٹس

(31) رام بابو سکسینہ کی شہرت کس حیثیت سے ہے؟

(a) اخبار کے مدیر (b) ادب کے تاریخ نگار
(c) سیاسی رہنما (d) شاعر

(32) اصلاح نسواں کس کتاب کا موضوع ہے؟

(a) مراۃ العروس (b) احمق الدین
(c) گئودان (d) شکست

(33) "تلاش حق" کس کی آپ بیتی کا اردو ترجمہ ہے؟

(a) پنڈت نہرو (b) محمد علی جناح
(c) مولانا ابوالکلام آزاد (d) مہاتما گاندھی

(34) نقاد کے بجائے محقق کی حیثیت سے زیادہ معتبر نام کون سا ہے؟

(a) کلیم الدین احمد (b) احتشام حسین

(c) تنویر احمد علوی (d) مجنوں گورکھپوری

(35) آتش و آب و باد و خاک نے لی + وضع سوز و نم و رم و آرام

اس شعر میں کون سی صفت ہے؟

(a) حسن تعلیل (b) لف و نشر

(c) ایہام (d) تجنیس

(36) کون سی اصطلاح مرثیہ سے متعلق نہیں ہے؟

(a) رجز (b) شہادت

(c) بین (d) تشبیب

(37) اردو کے کس ناول نگار کو گیان پیٹھ انعام ملا؟

(a) راجندر سنگھ بیدی (b) قرۃ العین حیدر

(c) عصمت چغتائی (d) خدیجہ مستور

(38) اصلاح زبان کے لیے کون سا شاعر مشہور ہے؟

(a) آتش (b) ناسخ

(c) ذوق (d) غالب

(39) کون سا افسانوی مجموعہ ضبط کیا گیا تھا؟

(a) پریم پچیسی (b) زندگی کے موڑ پر

(c) دانہ و دام (d) انگارے

(40) "ایک خواب اور" کس کا مجموعہ کلام ہے؟

(a) سردار جعفری (b) مخدوم محی الدین

(c) معین احسن جذبی (d) مجاز لکھنوی

(41) ناول گدھ کس کی تصنیف ہے؟

(a) قرۃ العین حیدر (b) عصمت چغتائی

(c) بانو قدسیہ (d) عبداللہ حسین

(42) "ساقی نامہ" کس کی نظم ہے؟

(a) چکبست (b) اختر الایمان

(c) جوش ملیح آبادی (d) اقبال

(43) "نوطرز مرصع" کا مصنف کون ہے؟

(a) رجب علی بیگ سرور (b) میر عطا حسین تحسین

(c) خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (d) وجہی

(44) "آہنگ" کس کی تصنیف ہے؟

(a) فیض (b) مجاز

(c) اختر شیرانی (d) ساحر لدھیانوی

(45) "ارسطو سے ایلیٹ تک" کس کی کتاب ہے؟

(a) عزیز احمد (b) وزیر آغا

(c) جمیل جالبی (d) مولوی عبدالحق

(46) انجمن ترقی اردو (ہند) کی بنیاد کس سنہ میں ہوئی؟

(a) ۱۸۵۷ء (b) ۱۹۰۲ء

(c) ۱۹۳۶ء (d) ۱۹۴۷ء

(47) کرشن چندر کے افسانوں میں کس شہر کا ذکر زیادہ ہے؟

(a) سری نگر (b) دلی

(c) بمبئی (d) بنارس

(48) "ایک چادر میلی سی" کس کا ناولٹ ہے؟

(a) سجاد ظہیر　(b) راجندر سنگھ بیدی

(c) عزیز احمد　(d) احمد عباس

(49) کبھی تو صلح بھی ہو جائے (۱)　زہد و مستی میں (۲)

الٰہی شیخ بھی مے خور ہو (۳)　مغاں کی طرح (۴)

تضاد شعر کے کس حصے میں ہے؟

(a)(۱)　(b) (۲)

(c) (۳)　(d) (۴)

(50) پھر چراغ لالہ سے (۱)　روشن ہوئے کوہ و دمن (۲)

مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا (۳)　مرغ چمن (۴)

تشبیہ شعر کے کس حصے میں ہے؟

(a) (۱)　(b) (۲)

(c) (۳)　(d) (۴)

Practice Set-7 سوالوں کا حل									
1 c	2 d	3 c	4 b	5 c	6 d	7 c	8 c	9 b	10 c
11 d	12 b	13 c	14 a	15 d	16 c	17 d	18 d	19 b	20 c
21 b	22 a	23 d	24 b	25 d	26 a	27 c	28 d	29 a	30 c
31 b	32 a	33 b	34 c	35 b	36 b	37 b	38 b	39 d	40 b
41 c	42 d	43 b	44 b	45 c	46 d	47 c	48 b	49 c	50 d

PRACTICE SET-8

(1) آخری تحفہ کس کا افسانوی مجموعہ ہے؟

(a) کرشن چندر　(b) راجندر سنگھ بیدی

(c) پریم چند　(d) انتظار حسین

(2) آب حیات کا مصنف کون ہے؟

(a) محمد حسین آزاد　(b) نذیر احمد

(c) حالی　(d) سر سید

(3) ترقی پسند تحریک کس صدی کی تحریک ہے؟

(a) سترھویں　(b) اٹھارویں

(c) انیسویں　(d) بیسویں

(4) "مکر شاعرانہ" کس شاعر کے کلام کی خصوصیت قرار دی گئی؟

(a) ناسخ　(b) غالب

(c) مومن　(d) جرأت

(5) "گنج ہائے گراں مایہ" کس کی تصنیف ہے؟

(a) آل احمد سرور　(b) ابوالکلام آزاد

(c) امتیاز علی تاج　(d) رشید احمد صدیقی

(6) فیضو کس ناول کا کردار ہے؟

(a) آگ کا دریا　(b) امراؤ جان ادا

(c) میدان عمل　(d) ٹیڑھی لکیر

(7) خوجی کس ناول کا کردار ہے؟

(a) فسانۂ آزاد　(b) سیر کہسار

(c) جام سرشار　(d) خدائی فوجدار

(8) کس مثنوی کے متعلق محمد حسین آزاد نے رائے دی تھی کہ "کیا اسے سو برس آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں جو کچھ کہا صاف وہی محاورہ اور وہی گفتگو ہے جواب ہم تم بول رہے ہیں۔"

(a) دریائے عشق　(b) گلزار ارم

(c) گلزار نسیم　(d) سحر البیان

(9) "ہندوستان میں دو الہامی کتابیں ہیں، ایک وید مقدس اور دوسری دیوان غالب" یہ قول کس کا ہے؟

(a) شیفتہ　(b) محمد حسین آزاد

(c) عبدالرحمٰن　(d) خلیل الرحمٰن اعظمی

(10) غزل کی ہیئت اور کس صنف میں استعمال کی جاتی ہے؟

(a) سانٹ　(b) مثنوی

(c) مرثیہ　(d) قصیدہ

(11) حسن و دل کس داستان کے کردار ہیں؟

(a) طلسم ہوش ربا　(b) سب رس

(c) باغ و بہار　(d) فسانۂ عجائب

(12) "امراؤ جان ادا" کی فضا کا تعلق خاص طور پر کس طبقے سے ہے؟

(a) نوابان اودھ　(b) امرائے لکھنؤ

(c) طوائفان بازاری　(d) شرفائے لکھنؤ

(13) اردو کا صوفی شاعر کون تھا؟

(a) انشاء　(b) جرأت

(c) درد　(d) رنگین

(14) عود ہندی کیا ہے؟

(a) ناول　(b) سوانح

(c) مکاتیب　(d) افسانہ

(15) اردو کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟

(a) دراوڑی　(b) پشاچہ

(c) چرمانک　(d) ہند آریائی

(16) محمود شیرانی کی کتاب کا کیا نام ہے؟

(a) مقدمہ تاریخ زبان اردو　(b) شعر الہند

(c) پنجاب میں اردو　(d) ہندوستانی لسانیات

(17) میر کے کتنے دیوان ہیں؟

(a) چار　(b) پانچ

(c) چھ　(d) سات

(18) نکات الشعراء کس کی تصنیف ہے؟

(a) قائم　(b) مصحفی

(c) میر　(d) عبدالحی

(19) "علی نامہ" کا سنہ تصنیف کیا ہے؟

(a) ۱۰۷۶ھ　(b) ۱۰۸۲ھ

(c) ۱۰۹۰ھ　(d) ۱۰۹۶ھ

(20) نصرتی کی بزمیہ مثنوی کون سی ہے؟

(a) سیف الملوک وبدیع الجمال (b) گلشن عشق

(c) پھول بن (d) زہر عشق

(21) "کدم راؤ پدم راؤ" کس عہد میں لکھی گئی؟

(a) عادل شاہی (b) برید شاہی

(c) قطب شاہی (d) بہمنی

(22) گوتم نیلمبر کس ناول کا کردار ہے؟

(a) بستی (b) گؤدان

(c) آگ کا دریا (d) ابن الوقت

(23) دیا شنکر نسیم کس کے شاگرد تھے؟

(a) آتش (b) ناسخ

(c) مصحفی (d) رند

(24) کس شاعر نے کہا تھا ع پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

(a) میر مونس (b) خلیق

(c) دبیر (d) انیس

(25) یادگار غالب کا مصنف کون ہے؟

(a) شبلی (b) محمد حسین آزاد

(c) حالی (d) عبدالحق

(26) ایک لڑکا کس کی نظم ہے؟

(a) فیض (b) اختر الایمان

(c) ساحر لدھیانوی (d) ن۔م۔ راشد

(27) لاجونتی کس کا افسانہ ہے؟

(a) علی عباس حسینی (b) ل م احمد

(c) سعادت حسن منٹو (d) راجندر سنگھ بیدی

(28) لام نستعلیق کا ہے اس بت خوشخط کی زلف

ہم تو کافر ہیں اگر بنوے نہ ہوں اسلام کے

اس شعر میں کون سی صنعت ہے؟

(a) مراعات النظیر (b) لف ونشر

(c) استعارہ (d) ایہام

(29) آثار الصنادید کس کی تصنیف ہے؟

(a) سرسید (b) مولوی نذیر احمد

(c) عبدالحلیم شرر (d) مرزا رسوا

(30) شاعر رومان کس کو کہا جاتا ہے؟

(a) سردار جعفری (b) اختر شیرانی

(c) مخدوم محی الدین (d) فیض احمد فیض

(31) خانم کس کتاب کا کردار ہے؟

(a) باغ و بہار (b) فسانۂ مبتلا

(c) امراؤ جان ادا (d) گزشتہ لکھنؤ

(32) رشید احمد صدیقی کا سن پیدائش کیا ہے؟

(a) ۱۸۹۲ء (b) ۱۸۹۴ء

(c) ۱۸۹۹ء (d) ۱۸۹۸ء

(33) کس شاعر نے آگرے کو سب سے زیادہ شہرت بخشی؟

(a) مرزا غالب (b) میر تقی میر
(c) نظیر اکبر آبادی (d) معین احسن جذبی

(34) اصلاح زبان کے لیے کون سا شاعر مشہور ہے؟

(a) ناسخ (b) مرزا مظہر
(c) مرزا غالب (d) ذوق

(35) ذکر میر کیا ہے؟

(a) تذکرہ (b) خودنوشت سوانح
(c) تاریخ (d) ناول

(36) "محاسن کلام غالب" کس کی تصنیف ہے؟

(a) حالی (b) محمد حسین آزاد
(c) عبداللطیف (d) عبدالرحمٰن بجنوری

(37) ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
یہ شعر کس کا ہے؟

(a) آتش (b) غالب
(c) میر تقی میر (d) مومن

(38) مرصع انداز بیان کس کی خصوصیت ہے؟

(a) زہر عشق (b) دریائے عشق
(c) گلزار نسیم (d) سحر البیان

(39) "غزل اردو شاعری کی آبرو ہے" یہ قول کس کا ہے؟

(a) حالی (b) کلیم الدین احمد
(c) احتشام حسین (d) رشید احمد صدیقی

(40) کس کے دیوان کی آمد سے دہلی میں اردو شاعری کا باقدہ آغاز ہوا؟

(a) قلی قطب شاہ (b) ولی دکنی
(c) سراج اورنگ آبادی (d) ابن نشاطی

(41) حمد کسے کہتے ہیں؟

(a) کسی امیر کی مدح (b) خدا کی تعریف
(c) حضرت علی کی تعریف (d) کسی ولی کی مدح

(42) "پنچھی باچھا" کس زبان سے دکنی میں ترجمہ ہوئی؟

(a) سنسکرت (b) انگریزی
(c) فارسی (d) عربی

(43) آثار الصنادید کس کی تصنیف ہے؟

(a) محمد حسین آزاد (b) شبلی نعمانی
(c) سر سید احمد خاں (d) مولوی ذکاء اللہ خاں

(44) "فسانۂ عجائب" کس تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے؟

(a) دلی (b) لکھنؤ
(c) حیدر آباد (d) پٹنہ

(45) کاشف الحقائق کا موضوع کیا ہے؟

(a) تاریخ (b) داستان
(c) تنقید (d) شاعری

(46) "پروفیسر آزاد انشاء پرداز ہیں، انہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں" یہ کس کا قول ہے؟

(a) مولانا حالی
(b) ابوالکلام آزاد
(c) مہدی افادی
(d) رشید احمد صدیقی

(47) حالی کی تصنیف ہے جو تعلیم نسواں سے تعلق رکھتی ہے؟
(a) بنات النعش
(b) مجالس النساء
(c) نصیحت کا کرن پھول
(d) توبتہ النصوح

(48) غالب کس بادشاہ کے استاد تھے؟
(a) شاہ عالم
(b) فرخ سیر
(c) بہادر شاہ ظفر
(d) آصف الدولہ

(49) کس نے اردو خطوط کو مکالمہ بنادیا؟
(a) غلام غوث بیخبر
(b) انشاءاللہ خان انشاء
(c) اسداللہ خاں غالب
(d) ابوالکلام آزاد

(50) نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا موضوع کیا ہے؟
(a) سیاسی شاعری
(b) مشترکہ تہذیب
(c) اسلامی تہذیب
(d) اصلاحی شاعری

Practice Set-8 سوالوں کا حل

1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
c	a	d	c	d	b	a	d	c	d
11	12	13	14	15	16	17	18	19	20
b	c	c	c	d	c	d	c	a	b
21	22	23	24	25	26	27	28	29	30
d	c	a	d	c	b	d	d	a	b
31	32	33	34	35	36	37	38	39	40
c	a	c	b	a	d	c	d	d	b
41	42	43	44	45	46	47	48	49	50
b	a	c	b	c	d	b	c	c	b

PRACTICE SET-9

(1) ن۔م۔راشد کی شہرت کس صنف سے ہے؟
(a) رباعی
(b) مثنوی
(c) آزاد نظم
(d) قصیدہ

(2) "تضحیک روزگار" کس کی تخلیق ہے؟
(a) نظیر اکبر آبادی
(b) سودا
(c) میر
(d) انشاء

(3) ہجو کا موضوع کیا ہے؟
(a) تعریف
(b) موسم کا بیان
(c) کسی شخص کی برائیوں کا مذاق اڑانا
(d) تاریخ

(4) اقبال کے دوسرے اردو مجموعہ کلام کا نام کیا ہے؟
(a) جاوید نامہ
(b) بانگ درا
(c) بال جبریل
(d) ضرب کلیم

(5) "اودھ پنچ" کہاں سے شائع ہوتا تھا؟
(a) الہ آباد
(b) دلی
(c) لکھنؤ
(d) بمبئی

(6) سائنٹفک سوسائٹی کس نے قائم کی تھی؟
(a) میر امن
(b) سر سید احمد خاں
(c) ڈاکٹر ذاکر حسین
(d) مولانا شبلی

(7) "شریف زادہ" کس کی تصنیف ہے؟

(a) مرزا رسوا — (b) راشد الخیری

(c) شاہد احمد دہلوی — (d) مرزا فرحت اللہ بیگ

(8) قنوطی شاعر کسے قرار دیا گیا؟

(a) جگر مراد آبادی — (b) اصغر گونڈوی

(c) حسرت موہانی — (d) فانی بدایونی

(9) ترتیب زمانی کے اعتبار سے صحیح پر نشان لگائیے؟

(a) نظیر اکبر آبادی — (b) میر تقی میر

(c) غالب — (d) انشاء

(10) "فلسفہ کلام غالب" کا مصنف کون ہے؟

(a) شوکت سبزواری — (b) عبدالرحمٰن بجنوری

(c) کلیم الدین احمد — (d) مسعود حسن رضوی

(11) "فسانہ آزاد" کا مصنف کون ہے؟

(a) رجب علی بیگ سرور — (b) رتن ناتھ سرشار

(c) انشاءاللہ خاں انشاء — (d) مرزا رسوا

(12) ایہام گوئی کے لحاظ سے کون سا شاعر مشہور ہوا؟

(a) ولی دکنی — (b) آبرو

(c) میر حسن — (d) مرزا مظہر

(13) ہمارے سب سے بڑے نظم گو شاعر کون ہیں؟

(a) غالب — (b) اقبال

(c) حسرت — (d) مجروح

(14) اردو میں نظم کو رواج دینے میں کس انگریز نے حصہ لیا۔

(a) فیلن — (b) گلکرسٹ

(c) کرنل ہالرائڈ — (d) رالف رسل

(15) انجمن پنجاب میں اردو شاعری پر پہلا لیکچر کس نے دیا؟

(a) مولانا حالی — (b) اکبرالہ آبادی

(c) محمد حسین آزاد — (d) پیارے لال شاکر

(16) غزل کی خصوصیت کیا ہے؟

(a) مضمون کا تسلسل

(b) موضوع کے اعتبار سے اشعار میں ربط نہ ہونا

(c) ارتقائے خیال — (d) ارتکاز خیال

(17) اردو کی پہیلیاں کس سے منسوب کی جاتی ہیں؟

(a) میر تقی میر — (b) امیر خسرو

(c) غالب — (d) میر امن

(18) لہو کے پھول کا مصنف کون ہے؟

(a) قرۃ العین حیدر — (b) جوگندر پال

(c) حیات اللہ انصاری — (d) ممتاز مفتی

(19) "آیات وجدانی" کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(a) اثر لکھنوی — (b) یاس یگانہ

(c) امجد — (d) اصغر

(20) متحیر کرنے والے دعوے، مبالغہ آمیز تعمیمات اور دلکش فقرے کس طرح کی تنقید کی بنیاد بنتے ہیں؟

(a) نفسیاتی — (b) مارکسی

(c) سماجی — (d) رومانی

(21) مندرجہ ذیل میں سے کس نقاد کو مارکسی تنقید سے نسبت نہیں ہے؟

(a) ممتاز حسین (b) اختر حسین رائے پوری

(c) وزیر آغا (d) احتشام حسین

(22) "خیال مادے کے تابع ہے" اس تصور پر مبنی کس قسم کی تنقید ہوتی ہے؟

(a) مارکسی (b) تاریخی

(c) تاثراتی (d) نفسیاتی

(23) "ادیب کے ذہن اور فن پر جنس کی کار فرمائی ضرور ہوتی ہے۔" یہ تصور کس تنقید کی بنیاد ہے؟

(a) مارکسی (b) جمالیاتی

(c) نفسیاتی (d) سماجی

(24) مندرجہ ذیل میں سے کس کو تاثراتی تنقید سے نسبت نہیں ہے؟

(a) مہدی افادی (b) ممتاز حسین

(c) آل احمد سرور (d) رشید احمد صدیقی

(25) رانی کیتکی کی کہانی،

(a) فارسی میں ہے

(b) فارسی آمیز اردو میں ہے

(c) فارسی اور سنسکرت الفاظ سے عاری ہے

(d) دلی کی زبان میں ہے

(26) جدیدیت کا نمائندہ نقاد کسے سمجھا جاتا ہے؟

(a) الطاف حسین حالی (b) کلیم الدین احمد

(b) شمس الرحمن فاروقی (d) احتشام حسین

(27) اصلاح زبان سے کون وابستہ ہے؟

(a) میر (b) غالب

(c) ناسخ (d) آتش

(28) "شاعر انقلاب" کسے کہا گیا ہے؟

(a) اصغر (b) جگر

(c) یگانہ (d) جوش

(29) ڈرامہ کے لیے کس کی شہرت ہے؟

(a) آغا حشر (b) نیاز فتح پوری

(c) پریم چند (d) انشاء اللہ خان انشاء

(30) "دروازے کھول دو" کس کا ڈرامہ ہے؟

(a) عصمت چغتائی (b) کرشن چندر

(c) بیدی (d) منٹو

(31) مندرجہ ذیل میں سے کس کو "نفسیاتی تنقید" سے نسبت نہیں ہے؟

(a) ممتاز حسین (b) وزیر آغا

(c) شبیہ الحسن (d) میراجی

(32) احتشام حسین کی تنقیدیں کس ذیل میں رکھی جاتی ہیں؟

(a) نفسیاتی (b) تاثراتی

(c) مارکسی (d) رومانی

(33) آل احمد سرور کی تنقیدوں کو کس ذیل میں رکھا جاتا ہے؟

(a) مارکسی (b) نفسیاتی

(c) تاثراتی (d) رومانی

(34) انار کلی کو اسٹیج کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟

(a) طویل مکالمے (b) متعدد مقاصد کا ٹکراؤ

(c) مغل تہذیب کی عکاسی (d) المناک انجام

(35) کس نے کہا تھا "اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔"

(a) محمود شیرانی (b) محمد حسین آزاد

(c) شوکت سبزواری (d) محی الدین قادری زور

(36) طبع زاد داستان کون سی ہے؟

(a) باغ و بہار (b) الف لیلہ

(c) سب رس (d) فسانۂ عجائب

(37) "زمیندار" کے مدیر کون تھے؟

(a) حسرت موہانی (b) مولانا محمد علی جوہر

(c) منشی سجاد حسن (d) ظفر علی خان

(38) منشی سجاد کے اخبار کا نام کیا تھا؟

(a) اردو اخبار (b) لندن پنچ

(c) اودھ پنچ (d) ملاپ

(39) "گردش رنگ چمن" کس کا ناول ہے؟

(a) جیلانی بانو (b) عصمت چغتائی

(c) راجندر سنگھ بیدی (d) قرۃ العین حیدر

(40) غالب کے تمام مدون اور غیر مدون کلام کا مرتب کون ہے؟

(a) قاضی عبدالودود (b) پروفیسر نذیر احمد

(c) امتیاز علی عرشی (d) رشید حسن خاں

(41) صحیح جملے پر نشان لگائیے

(a) میں نے عرض کیا (b) میں نے فرمایا

(c) آپ نے عرض کیا (d) تم نے فرمایا

(42) میر تقی میر کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) عظیم آباد (b) دہلی

(c) آگرہ (d) لکھنؤ

(43) قصیدے کے لیے کون سا شاعر مشہور ہے؟

(a) میر درد (b) مرزا سودا

(c) جرأت (d) شاہ حاتم

(44) نکات الشعرا کیا ہے؟

(a) سوانح عمری (b) تاریخ

(c) تذکرہ (d) آپ بیتی

(45) مسدس مدوجزر اسلام کس کی تصنیف ہے؟

(a) چکبست (b) نظم طباطبائی

(c) سرور جہاں آبادی (d) حالی

(46) پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں + پھر وہی زندگی ہماری ہے
یہ شعر کس کا ہے؟

(a) غالب (b) ذوق

(c) مومن (d) آتش

(47) جرأت کہاں پیدا ہوئے تھے؟

(a) لکھنؤ (b) آگرہ

(c) دہلی (d) رام پور

(48) شعر العجم کا مصنف کون ہے؟

(a) مجنوں گورکھپوری (b) امداد امام اثر

(c) عبدالسلام ندوی (d) شبلی

(49) "دریائے لطافت" کا تعلق کس سے ہے؟

(a) تمثیل (b) طنز و مزاح

(c) زبان (d) قصہ

(50) رشید احمد صدیقی کہاں کے رہنے والے تھے؟

(a) اعظم گڑھ (b) علی گڑھ

(c) فیض آباد (d) جونپور

Practice Set-9 سوالوں کا حل

1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
c	b	c	c	c	b	a	d	b	b
11	12	13	14	15	16	17	18	19	20
b	b	b	c	c	b	b	c	b	d
21	22	23	24	25	26	27	28	29	30
c	a	c	b	c	c	c	d	a	b
31	32	33	34	35	36	37	38	39	40
a	c	c	c	b	d	d	c	d	c
41	42	43	44	45	46	47	48	49	50
c	d	b	c	d	c	c	d	c	d

PRACTICE SET-10

(1) شبلی کی تصنیف سیرۃ النبی کی تکمیل کس نے کی؟

(a) احتشام حسین (b) آل احمد سرور

(c) مسعود حسین خان (d) سلیمان ندوی

(2) "سب رس" کس زبان میں لکھی گئی؟

(a) دکنی (b) مراٹھی

(c) فارسی (d) گجری

(3) تنقید کیا ہے؟ کا مصنف کون ہے؟

(a) آل احمد سرور (b) مجنوں گورکھپوری

(c) کلیم الدین احمد (d) قاضی عبدالودود

(4) مارکسی تنقید کی ابتداء کس دور میں ہوئی؟

(a) علی گڑھ تحریک (b) رومانی تحریک

(c) جدیدیت (d) ترقی پسند تحریک

(5) حیات جاوید کس شخص کی سوانح ہے؟

(a) غالب (b) حالی

(c) سر سید (d) شبلی

(6) الفاروق کا مصنف کون ہے؟

(a) حالی (b) شبلی

(c) نذیر احمد (d) راشد الخیری

(7) تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا
اس شعر کی صفت تحریر کیجئے

(a) تجنیس
(b) مراعات النظیر
(c) لف و نشر مرتب
(d) صفت طباق

(8) ڈراما کھیتی کس کی تصنیف ہے؟

(a) آغا حشر کاشمیری
(b) امانت
(c) امتیاز علی تاج
(d) محمد مجیب

(9) مسدس مد و جزر اسلام کا سن تصنیف کیا ہے؟

(a) ۱۸۶۹ء
(b) ۱۸۹۷ء
(c) ۱۸۸۹ء
(d) ۱۸۹۹ء

(10) "تذکرہ گلشن بے خار" کس کی تصنیف ہے؟

(a) شیفتہ
(b) مصحفی
(c) میر حسن
(d) قدرت اللہ قاسم

(11) دار المصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد کس نے ڈالی؟

(a) ذکاء اللہ
(b) شبلی
(c) سید سلیمان ندوی
(d) عبد السلام

(12) علامہ اقبال کا سن وفات کیا ہے؟

(a) ۱۹۲۸ء
(b) ۱۹۳۲ء
(c) ۱۹۳۸ء
(d) ۱۹۴۴ء

(13) سب رس کا سن تصنیف کیا ہے؟

(a) ۱۰۱۸ھ
(b) ۱۰۲۵ھ
(c) ۱۰۳۵ھ
(d) ۱۰۴۵ھ

(14) "آثار الصنادید" میں کس شہر کے مقامات و آثار قدیمہ کا ذکر ہے؟

(a) کلکتہ
(b) دہلی
(c) رام پور
(d) لکھنؤ

(15) پریم چند کا اصل نام کیا ہے؟

(a) رگھوپتی سہائے
(b) دھنپت رائے
(c) سدرشن
(d) عجائب لال

(16) "دیوان زادہ" کس کی تصنیف ہے؟

(a) ناجی
(b) آرزو
(c) آبرو
(d) شاہ حاتم

(17) اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کون ہے؟

(a) ولی دکنی
(b) آبرو
(c) محمد قلی قطب شاہ
(d) نظامی بیدری

(18) قطب مشتری کیا ہے؟

(a) مرثیہ
(b) قصیدہ
(c) واسوخت
(d) مثنوی

(19) معراج العاشقین کا موضوع کیا ہے؟

(a) رومان
(b) جنگ و جدل
(c) تصوف
(d) سوانح

(20) ملا وجہی کی نثری تصنیف کون سی ہے؟

(a) کربل کتھا (b) کلمۃ الحقائق

(c) سب رس (d) قصہ مہر افروز و دلبر

(21) میر امن کا وطن کہاں تھا؟

(a) لکھنؤ (b) کلکتہ

(c) دلی (d) حیدر آباد

(22) گلکرسٹ کا فورٹ ولیم کالج سے کیا تعلق تھا؟

(a) بانی تھا (b) پرنسپل تھا

(c) شعبۂ ہندوستانی کا صدر تھا (d) پرو ووسٹ تھا

(23) رانی کیتکی کی کہانی کہاں لکھی گئی؟

(a) لکھنؤ (b) دلی

(c) کلکتہ (d) فیض آباد

(24) خدائے سخن کسے کہا جاتا ہے؟

(a) درد (b) میر

(c) سودا (d) غالب

(25) عجائب القصص کا مصنف کون ہے؟

(a) شاہ عالم (b) بہادر شاہ ظفر

(c) عطا حسین تحسین (d) فضلی

(26) اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔ یہ نظریہ کس کا ہے؟

(a) آزاد (b) حالی

(c) محمود شیرانی (d) سرسید

(27) "گلشن ہند" کس کا تذکرہ ہے؟

(a) مرزا علی لطف (b) میر

(c) میر حسن (d) قائم

(28) "اردوئے معلی" کس کے خطوط کا مجموعہ ہے؟

(a) داغ (b) حالی

(c) شبلی (d) غالب

(29) ناول "آنگن" کا خالق کون ہے؟

(a) عصمت چغتائی (b) قرۃ العین حیدر

(c) خدیجہ مستور (d) رضیہ بٹ

(30) "لسان العصر" کس شاعر کو کہا گیا؟

(a) اقبال (b) اکبر

(c) نظیر (d) حالی

(31) مرثیہ کے لیے مسدس کا استعمال کس دور سے شروع ہوا؟

(a) بہمنی (b) انشاء مصحفی

(c) آتش و ناسخ (d) میر و سودا

(32) "پریم پچیسی" مجموعہ ہے۔

(a) اشعار کا (b) افسانوں کا

(c) ڈراموں کا (d) انشائیوں کا

(33) "دل گداز" کس کا رسالہ تھا؟

(a) شوق قدوائی (b) شرر

(c) سرشار (d) بیتاب

(34) کدم راؤپدم راؤ کس کی تصنیف ہے؟

(a) محمد قلی قطب شاہ — (b) وؔلی اورنگ آبادی

(c) نظامی بیدری — (d) اسداللہ وجہی

(35) ذیل کی مثنویوں میں رزمیہ مثنوی کون سی ہے؟

(a) قطب مشتری — (b) پھول بن

(c) علی نامہ — (d) گلشن عشق

(36) "دکن میں اردو" کس کی تصنیف ہے؟

(a) محمود شیرانی — (b) محمد حسین آزاد

(c) محی الدین قادری — (d) نصیرالدین ہاشمی

(37) اردو کی اولین نثری تصنیف کس کی ہے؟

(a) علی عادل شاہ — (b) میرامن

(c) ملاوجہی — (d) فضلی

(38) "اردو شاعری کا باوا آدم وؔلی ہے" یہ کس کا قول ہے؟

(a) سید سلیمان ندوی — (b) مولانا الطاف حسین حالؔی

(c) مولانا محمد حسین آزاد — (d) شبلی نعمانی

(39) "مغلوں نے ہندوستان کو تین چیزیں دیں، تاج محل، اردو اور غالب، یہ کس کا قول ہے؟

(a) عبدالرحمٰن بجنوری — (b) ڈاکٹر ذاکر حسین

(c) رشید احمد صدیقی — (d) آل احمد سرور

(40) فورٹ ولیم کالج کی بنیاد کس سنہ میں پڑی؟

(a) ۱۸۳۲ء — (b) ۱۸۰۰ء

(c) ۱۸۵۷ء — (d) ۱۸۸۵ء

(41) باغ وبہار کی نمائندہ تصنیف کس نے لکھی؟

(a) کاظم علی جواں — (b) للولال

(c) میرامن — (d) حیدر بخش حیدری

(42) اردو کے فرانسیسی عالم کا نام کیا ہے؟

(a) کیٹلر — (b) جان پلیٹس

(c) گارساں دتاسی — (d) شیکسپئر

(43) فردوس بریں کا مصنف کون ہے؟

(a) رتن ناتھ سرشار — (b) عبدالحلیم شرر

(c) مولوی نذیر احمد — (d) مرزا رسوا

(44) "دو عشق" کس کی نظم ہے؟

(a) اقبال — (b) چکبست

(c) فیض — (d) مجاز

(45) "میلہ گھومنی" کس کا افسانہ ہے؟

(a) علی عباس حسینی — (b) پریم چند

(c) عصمت چغتائی — (d) منٹو

(46) میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں
اس شعر میں کون سی صنعت ہے؟

(a) تضاد — (b) تلمیح

(c) لف ونشر — (d) مراعات النظیر

(47) کربل کتھا کس کی تصنیف ہے؟

(a) فضلی (b) وجہی

(c) نصرتی (d) برہان الدین جانم

(48) "شعر شور انگیز" کا مصنف کون ہے؟

(a) گوپی چند نارنگ (b) شمس الرحمٰن فاروقی

(c) وزیر آغا (d) رفیع الدین ہاشمی

(49) اب تک یہ صدا آتی ہے موسیٰؑ کی لحد سے + آواز سنی ہے تری صورت نہیں دیکھی

اس شعر میں کون سی صفت ہے۔

(a) تلمیح (b) تجاہل عارفانہ

(c) تضاد (d) اشتقاق

(50) "طنزیات و مضحکات" کا مصنف کون ہے۔

(a) آل احمد سرور (b) محمد حسن

(c) احتشام حسین (d) رشید احمد صدیقی

Practice Set-10 سوالوں کا حل

1	2	3	4	5	6	7	8	9	10
d	a	a	d	c	b	c	d	c	a
11	12	13	14	15	16	17	18	19	20
b	c	d	b	b	d	c	d	c	c
21	22	23	24	25	26	27	28	29	30
c	b	a	b	a	a	a	d	c	a
31	32	33	34	35	36	37	38	39	40
d	b	b	c	c	d	c	c	c	b
41	42	43	44	45	46	47	48	49	50
c	c	b	c	a	d	a	b	a	d

ایم۔ آر۔ پبلی کیشنز کی مطبوعات

ادبیات/تحقیق و تنقید

اجڑا دیار	شاہد احمد دہلوی	200/-
اجڑے نگر کا چراغ (ناول)	سبط احمد قمر	250/-
احسن القصص (انبیا کے قصے: آسان زبان و درسی معیار) مکمل 4 جلدیں	عبدالصمد	200/-
ادبی محاکمے	ڈاکٹر احمد امتیاز	150/-
اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک)	ڈاکٹر تبسم کاشمیری	750/-
اردو کے مزاحیہ افسانے (مزاح)	ڈاکٹر مظہر احمد	220/-
اردو کے منتخب رپورتاژ (طبع دوم)	ڈاکٹر طلعت گل	280/-
اردو میں سیاسی شاعری کی ادبی قدر و قیمت	پرویز احمد اعظمی	300/-
اردو میں شخصی مرثیہ کی روایت	ڈاکٹر عابد حسین حیدری	400/-
اردو ہے جس کا نام	فاروق ارگلی (ڈی لکس اڈیشن)	600/-
ارمغان ادب	امتیاز احمد/عطیہ رئیس	100/-
امیر خسرو (میوزیکل اوپیرا)	فصیح اکمل	100/-
امیر خسرو عہد، فن اور شخصیت	عرش ملسیانی	120/-
ایوانِ غزل (ناول)	جیلانی بانو	160/-
آدمی نامہ	مجتبیٰ حسین	80/-
بدچلن (افسانے)	پرمود بھارتی	100/-
بزم شاہد	شاہد احمد دہلوی	200/-
بطخ کا بچہ اور دوسری کہانیاں	سید محمود الحسن	50/-
بہادر شاہ ظفر کی دلّی	سید ضمیر حسن دہلوی	250/-
بھارت کا آئین (سہ لسانی اڈیشن)	خواجہ عبدالمنتقم	550/-
پرچھائیوں کے اجالے	حمیدہ سالم	200/-
پریس کی آزادی اور صحافیوں کے لیے ضابطہ اخلاق	خواجہ عبدالمنتقم	120/-
پس تصویر (تنقیدی مضامین)	راشد عزیز	200/-

پنجابی اردو بول چال	عبدالصمد	60/-
پھڑکتے ہوئے	کے ایل بھاگی	150/-
پیچھے کوئی ہے (ڈراما)	عتیق اللہ	60/-
پیروڈی	ڈاکٹر مظہر احمد	150/-
پیغمبرانِ حق	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	150/-
تاریخ نسواں	عبدالعزیز ہاشمی	450/-
تحفہ (کہانیاں)	لطیف رشیدی	60/-
تخلیق کار قمر رئیس	پروفیسر علی احمد فاطمی	200/-
تریاقِ حزن	مسرور شاہ جہاں پوری	150/-
تصوف اور خواتین اولیائے دہلی	ڈاکٹر حفظ الرحمٰن	75/-
تعلیم برائے مساوات	پروفیسر طاہر محمود	200/-
تکلف برطرف	مجتبیٰ حسین	80/-
تلمیحات	مظہر احمد، نجمہ رحمانی	120/-
تمدن ہند	سید علی بلگرامی	500/-
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو (جلد اول)	پروفیسر لطف الرحمٰن	300/-
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو (جلد دوم)	پروفیسر لطف الرحمٰن	300/-
تہنیت النساء تہنیت: شخصیت اور نعت گوئی	ڈاکٹر عرشیہ جبیں	200/-
تھیٹر، پارسی تھیٹر اور آغا حشر کاشمیری	انیس اعظمی	300/-
جاپان چلو جاپان چلو	مجتبیٰ حسین	80/-
جدید اردو غزل (۱۹۴۷ سے ۲۰۱۰)	ڈاکٹر راحت بدر	350/-
جدید غزل کی علامتیں	ڈاکٹر نجمہ رحمانی	200/-
چاندنی بیگم: ایک جائزہ	انوار الحق	125/-
حافظ اور اقبال (تقابلی مطالعہ)	ڈاکٹر شیریں زباں خانم	200/-
خوش کلامیاں قلم کاروں کی	نارنگ ساقی	200/-
دفتری طریقِ کار	منیر انجم	75/-
دلچسپ	بلقیس ظفیر الحسن	50/-
رشید احمد صدیقی بحیثیت خاکہ نگار	ڈاکٹر احمد امتیاز	100/-

رشید احمد صدیقی کے فکری مناسبات	ڈاکٹر احمد امتیاز	80/-
زاویے (فراق کی نادر تحریریں)	عبدالعزیز	125/-
سن ستاون کا قصہ: عزیزن (ڈراما)	ترپوراری شرما/ترجمہ: مظہر احمد	100/-
سو ہے وہ بھی آدمی	مجتبیٰ حسین	80/-
شاعر دانشور فراق گورکھپوری	پروفیسر علی احمد فاطمی	200/-
شامِ نوروز (مع اضافہ)	پروفیسر قمر رئیس	50/-
صورت و معنیٔ سخن	شمس الرحمٰن فاروقی	280/-
عکسِ احساس	سرکار حیدر	150/-
علی جواد زیدی: شخص و شاعر	ڈاکٹر عابد حسین حیدری	150/-
عمارت (افسانوی مجموعہ)	ڈاکٹر نگار عظیم	100/-
غالب اور آج کا شعور	ڈاکٹر محمد علی صدیقی	140/-
غبار خاکی (مزاحیہ)	سبط اختر	125/-
غربت اور ناانصافی	پروفیسر طاہر محمود	150/-
غزل ہم سفر	ڈاکٹر راحت بدر	150/-
غیر افسانوی اردو نثر	ڈاکٹر عطیہ رئیس	200/-
فرہنگ تلمیحات	ثوبان سعید	300/-
فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ	سید ضمیر حسن دہلوی	80/-
فلک چھونے کی آرزو	شمس رمزی	300/-
فنونِ لطیفہ اور تخلیقی تخیل	پروفیسر لطف الرحمٰن	200/-
فنِ ادارت	پروفیسر مسکین علی حجازی	300/-
قصۂ درد سناتے ہیں	پروفیسر طاہر محمود	500/-
قوانین تحفظ صارفین	خواجہ عبدالمنتقم	300/-
گھٹتا بڑھتا پانی (افسانے)	ڈاکٹر طلعت گل	80/-
مبارک شمیم: شخصیت اور فن	وسیم مینائی	200/-
مجتبیٰ حسین کا فن: جمالیاتی مظاہر	شکیل الرحمٰن	60/-
محمد علی جوہر: شخص و شاعر	ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی	200/-
مولانا ابوالکلام آزاد کے منتخب اداریے	محبوب فرید	200/-

میرے زمانے کی دلّی	ملا واحدی	150/-
میزانِ تحقیق	ڈاکٹر محمد اکمل	100/-
نثر کی شعریات	پروفیسر لطف الرحمٰن	180/-
نگارِ حقائق	مضطر انصاری	250/-
ہم عصر اردو ناول	پروفیسر قمر رئیس	300/-
ہندو مسلم اتحاد اور مسلم سماج	خواجہ عبدالمنتقم	200/-
ہندوستان میں جدید اردو مرثیے کا ارتقاء	ڈاکٹر ای اے حیدری	550/-
ہندوستان میں مسلم دورِ حکومت کا خاتمہ	ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی	100/-
ہندوستانی مسلم خواتین کی علمی خدمات	ڈاکٹر ناہید ظفر	450/-

ڈکشنریاں

فارسی اردو جدید فیروز اللغات		600/-
اردو انگریزی مجتہدی ڈکشنری (تین جلدیں)	یعقوب میران مجتہدی	3000/-
اردو ہندی ــــ ہندی اردو ڈکشنری	امام الدین رام نگری / ترتیب و اضافہ: ڈاکٹر احمد امتیاز	100/-

شاعری

اکائی	ڈاکٹر بشیر بدر	40/-
امکان سے آگے	نصر اللہ نصر	150/-
امیج	ڈاکٹر بشیر بدر	40/-
انتخاب کلیات عالم لکھنوی	الطاف حسین عالم لکھنوی	550/-
انتخاب کلیاتِ پروین شاکر	مرتبہ: ڈاکٹر مظہر احمد	50/-
انتخابِ کلامِ ثروت	مرتبہ: نگار عظیم	200/-
انتخابِ کلامِ سودا	ڈاکٹر مظہر احمد	50/-
انتخابِ کلامِ میر	ڈاکٹر عطیہ رئیس	50/-
انکار	پروین شاکر	35/-
آسمان	ڈاکٹر بشیر بدر	40/-
آمد	ڈاکٹر بشیر بدر	40/-
آہٹ	ڈاکٹر بشیر بدر	40/-

باقیاتِ فانی	شوکت علی خاں فانی	[illegible]
پس آشکار	احمد شناس	300/-
پیروڈی (مزاحیہ)	ڈاکٹر مظہر احمد	150/-
تریاقِ خون (مزاحیہ)	مسرور شاہ جہاں پوری	150/-
تیرے سوا	میکش امروہوی	150/-
جنگلی پھول	منور رانا	45/-
حدِ نظر	فرزانہ ظفر	200/-
خمخانۂ افکار	شفیق دہلوی	150/-
خواب وخیال	رحیم اللہ شاد	200/-
خود کلامی	پروین شاکر	35/-
خوشبو	پروین شاکر	50/-
سلگتے خواب	زاہد ٹانڈوی	200/-
شامِ نوروز (مع اضافہ)	پروفیسر قمر رئیس	50/-
شجر سے لپٹی ہوئی بیل	طارق قمر	200/-
شکوہ جوابِ شکوہ (اردو انگریزی)	علامہ اقبال	35/-
صحرا صحرا	راج کمار قیس	250/-
صد برگ	پروین شاکر	45/-
صنم آشنا (نظمیں)	پروفیسر لطف الرحمٰن	200/-
عکس تاب	ڈاکٹر معصوم شرقی	200/-
عکسِ احساس	سرکار حیدر	150/-
فلک چھونے کی آرزو	شمس رمزی	300/-
قندیلِ ہنر	طارق متین	100/-
کفِ آئینہ	پروین شاکر	35/-
کلیاتِ اقبال	علامہ اقبال	100/-
لفظ لفظ آئینہ	ابوالخیر نشتر	100/-
ماں	منور رانا	25/-
مدھوشالا	ڈاکٹر ہری ونش رائے بچن	100/-
مہاجر نامہ	منور رانا	50/-

ہندوستانی ترائیلے	مجیب نشتر	160/-
یادوں کے چراغ	امیر چند بہار	150/-

English/Hindi Books

The Constitution of India (Trilingual Edition: English-Hindi-Urdu)	Khwaja A. Muntaqim	550/-
Islam's Big 'No' to Terrorism	Khwaja A. Muntaqim	120/-
The Master of Universe	Dr. (Brig) Mukhtar Alam	150/-
The Life & works of S.H. Manto	Dr. S.A. Jafri	250/-
W.S. Maughm	Dr. S.A. Jafri	110/-
Safar Nama	Ikram Naqvi	400/-
ग़ैर मुस्लिम शुअराए शाहजहाँपुर	मुबारक शमीम/ लतीफ रशीदी	140/-
खुशकलामियाँ क़लमकारों की	नारंग साक़ी	200/-
झूट बोले कोआ काटे	सिब्ते अख़्तर	200/-
तुझ बिन	मैकश अमरोहवी	250/-
दिलचस्प	बिलक़ीस ज़फ़ीरूल हसन	50/-
मक़ामाते औलिया-ए-रूहेलखण्ड	डा. मो. हिफ़्ज़ुर्रहमान	320/-
मुन्तख़ब अहादीस	मौलाना मुहम्मद यूसुफ कानधलवी	175/-

درج ذیل اداروں کی کتابیں بھی دستیاب ہیں:

■ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) ■ اردو اکادمی دہلی ■ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ■ ساہتیہ اکادمی، دہلی ■ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، دہلی ■ غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی ■ غالب اکیڈمی، دہلی ■ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی ■ دکن ٹریڈرس، حیدرآباد ■ آندھرا پردیش اردو اکادمی، حیدرآباد و دیگر سرکاری، نیم سرکاری وذاتی اداروں کی کتابیں اردو، ہندی، انگریزی کے علاوہ دوسری زبانوں کی کتابیں بھی دستیاب کرائی جاتی ہیں۔

کم لاگت پر، کم وقت میں، بہترین طباعت واشاعت جاذبِ نظر خوشنما گرد پوش کے ساتھ کتاب شائع کرانے کے لیے رابطہ کریں۔

ARMUGHAN-E-ADAB

**BASED ON U.GC. (NET/JRF) SYLLABUS
AND OTHER COMPETITIVE EXAMINATIONS**

By

Imteyaz Ahmad **Atia Rais**

M.R. PUBLICATIONS
ایم۔آر۔پبلی کیشنز

M.R.Publications
Printers, Publishers, Suppliers & Distributors of Literary Book
10 Metropole Market, 2724-25 First Floor
Kucha Chelan, Daryaganj, New Delhi-110002
Cell: 09810784549, 09873156910 E-mail: abdus26@hotmail.co